انکشافاتِ قرآن
اسرارِ قرآنی
SOME SECRETS OF THE
QUR'AN
www.KitaboSunnat.com
مصنف: ھارون یحییٰ مترجم: محمد یحییٰ

اِنَّ فِیْ هٰذَا لَبَلٰغًا لِّقَوْمٍ عٰبِدِیْنَ
سُورۃ الانبیاء، آیت نمبر ۱۰۶
انکشافاتِ قرآن
اسرارِ قرآنی
اللہ
رسول
محمد
مصنف: ہارون یحییٰ
مترجم: محمد یحییٰ
مکتبہ رحمانیہ
اقرأ سنٹر۔ غزنی سٹریٹ۔ اُردو بازار۔ لاہور
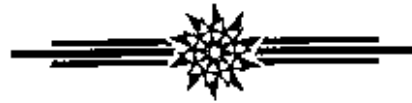
فہرست عنوانات

عنوانات	صفحہ
۱۔ کچھ مصنف کے بارے میں........	7
۲۔ عرضِ مترجم........	13
۳۔ بنام قاری........	15
۴۔ تعارف........	17
۵۔ دعاؤں کی قبولیت........	21
۶۔ پریشان حال کی دعا........	25
۷۔ دعاؤں کی حد........	28
۸۔ تمام مرادیں پوری کیوں نہیں ہوتیں........	31
۹۔ شکرگزار بندوں کے لیے نعمتیں........	34
۱۰۔ راضی بہ رضا رہنے کے فوائد........	39
۱۱۔ باعثِ برکت واقعات........	45
۱۲۔ ہر مشکل کے ساتھ ایک آسانی بھی........	50
۱۳۔ بوجھ بقدر استطاعت........	52
۱۴۔ دین پر چلنے میں آسانیاں........	54
۱۵۔ متشککین کی محرومیاں........	57

۱۶۔ اہل تقویٰ کی بصیرت........	61
۱۷۔ نیکیوں کا یقینی اجر........	63
۱۸۔ اجر میں کئی گنا اضافہ........	68
۱۹۔ اہل ایمان کے منور چہرے........	70
۲۰۔ نیکیاں گناہوں کو زائل کر دیتی ہیں........	73
۲۱۔ کبیرہ گناہوں سے بچنے والے لوگ........	74
۲۲۔ نیک راہوں کے راہی........	76
۲۳۔ انفاق فی سبیل اللہ کے مقاصد........	79
۲۴۔ کون سے صدقات قبول ہوتے ہیں........	82
۲۵۔ قربِ الٰہی اور انفاق فی سبیل اللہ........	84
۲۶۔ بہترین اجر........	86
۲۷۔ عمل صالح اور قولِ شیریں........	90
۲۸۔ کشادگی پیدا کرنے کی تلقین میں حکمتِ خدا	93
۲۹۔ دینی کاموں کے لیے نصرت خداوندی........	95
۳۰۔ مدد کے غیر محسوس طریقے........	97
۳۱۔ دشمنوں کے منصوبوں کی ناکامی........	98
۳۲۔ باہمی انتشار کے تباہ کن اثرات........	101
۳۳۔ ذکرِ الٰہی سکون قلب کا واحد ذریعہ........	104
۳۴۔ شیطان کا فریب کمزور ہے........	106
۳۵۔ وسوسۂ شیطانی سے محفوظ رہنے کے طریقے........	109
۳۶۔ اطاعتِ اکثریت یا صراطِ مستقیم........	112

۳۷۔ نعمتوں میں کمی بیشی کے اسرار و رموز........ 114

۳۸۔ اطاعت پیغمبرؐ اطاعت خدا ہے........ 116

۳۹۔ مومن ہونے کے لیے اتباع رسول شرطِ لازم ہے........ 119

۴۰۔ کفار کی اکثریت پر کیسے غلبہ پایا جا سکتا ہے........ 126

۴۱۔ سربلندی دین اور توحید........ 131

۴۲۔ چندروزہ زندگی........ 134

۴۳۔ کفار کا دلی طور پر مرعوب ہو جانا........ 137

۴۴۔ دانشمندانہ گفتگو کی صلاحیت نعمت خداوندی ہے........ 140

۴۵۔ ارادوں پر بھی باز پرس ہوگی........ 142

۴۶۔ محبت عطائے الٰہی ہے........ 146

۴۷۔ اہل ایمان کی موت کی شان........ 148

۴۸۔ نماز منکرات سے روکتی ہے........ 152

۴۹۔ کشتگانِ خنجر تسلیم........ 154

۵۰۔ عزت و اقتدار اللہ کے ہاتھ میں ہے........ 157

۵۱۔ صراط مستقیم کی تلاش........ 159

۵۲۔ رجوع الی اللہ..... بذریعہ اطاعت........ 161

۵۳۔ نفس انسانی اور ترغیب گناہ........ 164

۵۴۔ دولت فتنہ بھی تو ہے........ 167

۵۵۔ کفار کو فوراً سزا کیوں نہیں ملتی؟........ 172

۵۶۔ ماحاصل بحث........ 175

۵۷۔ نظریہ ارتقاء.....مخلوق کو خالق سے دور کرنے کی سازش! 176

i........ ڈارون ازم کی سائنسی موت 177

ii........ پہلا سنگ گراں 179

iii........ زندگی از زندگی بروید 179

iV........ ۲۰ ویں صدی کی بے نتیجہ مساعی 181

V........ زندگی کی پیچیدہ ساخت 182

VI........ ارتقاء کی فرضی میکانیات 184

VII........ ڈارونیتِ نو اور عمل تغیرات 186

VIII........ متحجرات کا ریکارڈ' درمیانی کڑیوں کا فقدان 188

iX........ امیدیں ناامیدی میں بدل گئیں 189

X........ ارتقائے انسان کی اصل کہانی 190

XI........ آنکھ اور کان کی ٹیکنالوجی 194

XII........ دماغ کے اندر بصارت اور سماعت کا شعور کہاں سے آیا؟ 197

XIII........ مادہ پرستانہ عقیدہ 198

کچھ مصنف کے بارے میں

مصنف، جو ہارون یحییٰ کے قلمی نام سے لکھتے ہیں ۱۹۵۶ء میں انقرہ میں پیدا ہوئے، اپنی پرائمری اور سیکنڈری تعلیم انقرہ میں مکمل کی پھر استنبول کی "منمر سینان" یونیورسٹی سے آرٹس کی اور استنبول یونیورسٹی سے فلسفے کی ڈگری حاصل کی۔ ۱۹۸۰ء کے عشرے کے اوائل میں تصنیف و تالیف کا کام شروع کیا اور سیاست اور ایمانیات سے متعلقہ سائنسی موضوعات پر متعدد کتابیں لکھیں۔ جنہیں علمی حلقوں میں خاصی پذیرائی حاصل ہوئی۔ ہارون یحییٰ نے نظریۂ ارتقا کے عنوان سے کی جانے والی جعلسازیوں اور فریب کاریوں کو بے نقاب کر کے ڈارون ازم اور دیگر باطل فلسفوں کے باہمی تعلق سے پیدا شدہ گمراہیوں کو بھی طشت از بام کر دیا ہے۔

مصنف کا قلمی نام "ہارون" اور "یحییٰ" ان دو جلیل القدر پیغمبروں کے ناموں کی یاد دلاتا ہے جو کفر اور شرک کے خلاف ہمیشہ برسرِ پیکار رہے۔ ہارون یحییٰ کی تصانیف کے سرورق پر نبی اکرم ﷺ کی مہر ان کے مواد سے ایک گہرے معنوی تعلق کو ظاہر کرتی ہے۔ یہ مہر، خدا کی آخری کتاب، اس کے آخری پیغام اور سلسلۂ نبوت کی آخری کڑی کا نشان ہے۔ مصنف نے قرآن و سنت سے رہنمائی حاصل کر کے بے خدا نظریات کی عمارت کے ہر ستون کو گرانا، اپنا نصب العین بنا لیا ہے۔ تاکہ مذہب کے خلاف اٹھنے والی ہر شورش دب جائے اور خدا کے آخری پیغام کا برحق ہونا ثابت ہو جائے۔ یہ اس نبی کی مہر ہے جو دانش و حکمت اور اخلاقِ عالیہ کے بلند ترین مقام پر فائز تھے، اس مہر کو ہم نے آپؐ کے قولِ فیصل کی علامت کے طور پر استعمال کیا

ہے۔

مصنف کی تمام کتابوں کا ایک ہی مقصد ہے..... لوگوں کو قرآن کا پیغام پہنچانا' ان میں ایمانیات سے متعلقہ مسائل کے بارے میں غور وفکر کی عادت پیدا کرنا اور اس سلسلے میں ان کی مناسب حوصلہ افزائی کرنا۔ مثلاً خدا کی ہستی کا اثبات' اس کی وحدانیت اور زندگی بعد از موت پر غور و خوض کے ساتھ ساتھ بے خدا نظام ہائے زندگی کی بنیادوں کے کھوکھلے پن کو بھی آشکار کرنا۔

ہارون یحیٰی کے قارئین برصغیر پاکستان و ہند سے لے کر' امریکہ تک' انگلینڈ سے لے کر انڈونیشیا تک' پولینڈ سے لے کر بوسنیا تک اور سپین سے لے کر برازیل تک ہر ملک میں موجود ہیں۔ ان کی بعض کتابیں انگریزی' فرانسیسی' جرمن' اطالوی' پرتگیزی' اردو' عربی' البانوی' روسی' سربوکروٹ' (بوسنین) یوگور ٹرکش اور انڈونیشی زبانوں میں بھی دستیاب ہیں' الغرض دنیا بھر میں ان کی کتب کا وسیع سلسلہ پھیلا ہوا ہے۔ ان تصانیف کی وجہ سے بے شمار افراد خدا پر ایمان لائے اور بصیرتِ ایمانی سے مالا مال ہوئے۔ ان کتابوں میں بھری ہوئی حکمت و دانش اور سہل الفہم اندازِ بیان قاری کے دل ودماغ کو براہ راست متاثر کرتا ہے۔ فاضل مصنف کا مدلل اور دل نشین اسلوب پڑھنے والوں کے خیالات کو اپنی گرفت میں لیتا چلا جاتا ہے اور ان پر غیر اسلامی نظریات کا فسوں دم توڑ جاتا ہے۔ یہ ممکن ہی نہیں ہے کہ کوئی شخص ان کتابوں کو بغور پڑھنے کے بعد بھی مادّہ پرستانہ فلسفوں اور الحاد و دہریت کا پرچار کرتا رہے۔ اگر کچھ لوگ ایسا کر رہے ہوں تو یہ ان کا محض جذباتی اصرار ہوگا کیونکہ ان کتابوں نے ان نظریات کو بیخ و بن سے اکھاڑ کر رکھ دیا ہے۔ کفر وارتداد کی بنیادوں پر استوار تمام عصری تحریکیں آج نظریاتی طور پر زبردست شکست سے دوچار ہو چکی ہیں۔ ہارون یحیٰی کی تصانیف نے ان میں کوئی جان نہیں چھوڑی۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ سب کچھ قرآن مجید کی جامعیت اور اس کے پُر تاثیر کلام کا اعجاز ہے، مصنف کو خود پر یقیناً کوئی ناز نہیں ہے۔ وہ خدا کے بتائے ہوئے صراط مستقیم پر چلنے کی کوشش کر رہا ہے اور دوسروں کو بھی اس راستے پر لانے کا ذریعہ بننا چاہتا ہے۔ اس کے علاوہ ان تصانیف کا کوئی مادی مقصد نہیں ہے۔

ان حقائق کے پیش نظر جو حضرات دوسروں کو ان چشم کشا کتابوں کے مطالعے کی ترغیب دیں گے اور انہیں خدا کے مخلص بندے بننے میں مدد دیں گے، وہ عنداللہ ماجور ہوں گے، ان کی یہ خدمت ان کے لئے یقیناً توشۂ آخرت بنے گی۔

دریں اثنا یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ عوام کو شکوک وشبہات میں مبتلا کرنے اور نظریاتی انتشار سے دوچار کرنے والی کتابوں کی اشاعت وقت اور قوت کے ضیاع کے سوا کچھ نہیں ہیں۔ بے مقصد لکھی جانے والی کتابیں قارئین کے دلوں سے نہ شکوک دور کرتی ہیں اور نہ کوئی اور فائدہ پہنچا سکتی ہیں۔ یہ بھی صاف ظاہر ہے کہ ان کتابوں کا مقصد مصنف کی قوتِ تحریر بڑھانا نہیں بلکہ لوگوں کے ایمان کو متزلزل ہونے سے بچانا ہے۔ جن حضرات کو ہمارے اس بیان پر شبہ ہے وہ ان کتابوں کا خود مطالعہ کر کے دیکھ لیں۔ ان کا دل گواہی دے گا کہ ہارون یحییٰ کا مطمح نظر دنیا کو تشکیک سے بچانا اور قرآن مجید کی بتائی ہوئی اخلاقی قدروں کی تبلیغ کرنا ہے۔ ایک قاری کے دل کا ایمان و یقین کی دولت سے مالا مال ہو جانا، مصنف کے نزدیک اس کی سب سے بڑی کامیابی ہے۔

یہ نکتہ اچھی طرح ذہن نشین رہنا چاہئے کہ آج کے مسلمان کا سب سے بڑا المیہ ایمانیات اور بے ایمانی کے مابین جاری کشمکش ہے۔ مختلف نظریات ایک دوسرے سے برسرپیکار ہیں اور باقی دنیا کی طرح مسلمان بھی ان نظریاتی آویزشوں کی زد میں آئے ہوئے ہیں۔ اس صورت حال کا خاتمہ صرف اسی صورت میں ہو سکتا

ہے کہ کفر کو نظریاتی طور پر شکست دی جائے اور ہر شخص کو کمالات تخلیق ربانی اور قرآنی اخلاقیات کا قائل کیا جائے اور اس پر یہ واضح کیا جائے کہ نجات و کامیابی کا واحد راستہ قرآن مجید ہے۔

آج کی دنیا کے حالات کو دیکھئے کہ ہر طرف تشدد کرپشن اور تصادم و کشمکش برپا ہے' یہ صورت حال فوری توجہ کا تقاضا کرتی ہے۔ اس میں جتنی تاخیر واقع ہوگی نقصان اتنا ہی زیادہ ہوگا۔

یہ کہنا مبالغہ آرائی نہیں ہوگا کہ ہارون یحیٰی کی تصانیف نے اصلاحِ احوال میں قائدانہ کردار ادا کیا ہے۔ انشاء اللہ یہ اکیسویں صدی کو امن و انصاف کی صدی بنانے اور قرآن میں کیے گئے وعدۂ مسرت وشادمانی کی تکمیل کا ذریعہ بنیں گی۔

فاضل مصنف کی کتابوں میں مندرجہ ذیل مطبوعات شامل ہیں۔

(i) فری میسن کا نیا نظام (ii) یہودیت اور فری میسنری (iii) ڈارون ازم' انسانیت کے لئے تباہ کاریوں کا پیغام (iv) کمیونزم ...... گھات میں (v) ڈارون ازم کا خونی نظریہ: فاشزم (vi) بوسنیا میں خفیہ ہاتھ (vii) عالمگیر تباہی کے پس پردہ مناظر (viii) دہشت گردی کے پس پردہ (ix) اسرائیل کا کردی کارڈ (x) مسائل کا حل: قرآنی اخلاقیات (xi) مقالات ۱'۲'۳ (xii) ابلیسی ہتھیار: رومانیت (xiii) صداقتیں ۱'۲ (xiv) مغربی دنیا کا رجوع الی اللہ (xv) فریبِ ارتقا (xvi) علمبردارانِ ارتقا کے دعووں کا جامع جواب (xvii) ارتقائی کذب بیانیاں (xviii) مقہور اقوام (xix) اہل بصیرت کے لئے (xx) حضرت موسیٰ علیہ السلام (xxi) حضرت یوسفؑ (xxii) سنہری دور (xxiii) رنگوں میں اللہ کی کاریگری (xxiv) اس کی عظمت کی نشانیاں ہیں چہارسُو (xxv) اس دنیا میں زندگی کی اصل حقیقت (xxvi) سچائی تک رسائی (xxvii) حیات بعد از ممات کا آغاز ہو چکا

ہے (xxviii) حقیقتِ تقدیر اور لازمانیت (xxix) ڈارون ازم کا کالا جادو (xxx) مذہبِ ڈارونیت (xxxi) بیس سوالات میں نظریۂ ارتقا کا انہدام (xxxii) اللہ تک بذریعہ عقل رسائی (xxxiii) سائنس بذریعہ قرآن (xxxiv) زندگی کا حقیقی منبع (xxxv) خلیے کے اندر شعور (xxxvi) ایک سلسلۂ معجزات (xxxvii) تخلیقِ کائنات (xxxviii) معجزاتِ قرآن (xxxix) فطرت کی صناعیاں (xL) جانداروں کے رویے میں ذہانت اور اور ایثارِ ذات (xLi) ڈارون ازم کا خاتمہ (xLii) تدبر (xLiii) لاعلمی کو کبھی جواز نہ بنایئے (xLiv) سبز معجزہ ... ضیائی تالیف (xLv) خلیے کے اندر معجزہ (xLvi) آنکھ ایک معجزہ (xlvii) مکڑی کے اندر نشانی (xlviii) مچھر..ایک نشانی (xLviv) چیونٹی ..ایک نشانی (l) شہد کی مکھی ..ایک نشانی (li) بیج ..ایک نشانی (lii) نظام ماموئیت (Liii) ریزش غدود ..ایک معجزہ (Liv) دیمک ..ایک نشانی (Lv) وجودِ انسانی .. ایک معجزہ (Lvi) اعجازِ پروٹین (Lvii) ڈی این اے کے راز۔

مصنف نے بچوں کے لئے یہ کتابیں لکھی ہیں۔ (i) بچو..ڈارون نے جھوٹ بولا تھا (ii) جانداروں کی دنیا (iii) آسمانوں میں جلال و جمال (iv) ہمارے ننھے دوستوں کی دنیا (v) چیونٹیاں اور شہد کی مکھیاں اپنے چھتے کیسے بناتی ہیں (vi) سگِ آبی: ماہر بند سازی۔

فاضل مصنف نے قرآنی موضوعات پر جو کتابیں لکھی ہیں، ان کے عنوانات درج ذیل ہیں: قرآن کے بنیادی تصورات، قرآن کی اخلاقی اقدار، فہم قرآن۔ ۱، ۲، ۳، کیا سچ پر کبھی غور کیا، کفر کی کج فہمیاں، رجوع الی اللہ، جاہل معاشرے سے اظہارِ لاتعلقی، اہلِ ایمان کا اصل گھر، بہشت، علم قرآن، قرآن کا اشاریہ، اللہ کے لئے ہجرت، قرآن کی روشنی میں منافق کا کردار، اسمائے باری تعالیٰ، منافقت کے اصل راز،

جواباتِ قرآنی' موت حشر اور جہنم' انبیاء علیہم السلام کی جدوجہد' انسان کا کھلا دشمن: شیطان' بہتانِ عظیم' پرستشِ اصنام' پیغامِ الٰہی اور قرآن پر اعتراضات' مذہبِ جاہلیت' غرورِ شیطان' قرآنی دعائیں' قرآن میں شعور کی اہمیت' یومِ حشر' مت بھولئے' قرآنی فیصلے جو نظر انداز کر دیئے گئے' جاہلی معاشرے میں انسانی کردار' قرآن میں صبر کی اہمیت' معلوماتِ قرآنی' پختہ ایمان توبہ سے پہلے' ہمارے پیغمبروں کے ارشادات' اہل ایمان کی رحم دلی کے واقعات' خشیتِ الٰہی' تشکیک کی تباہ کاریاں' ظہورِ مسیح' حسنِ زندگی قرآن کی روشنی میں' جمالیاتِ الٰہی کا مرقع ۱' ۲' ۳' ۴' ناانصافی جو تضحیکِ انسانیت ہے' رازِ آزمائش و ابتلا' عقلمند کون... قرآن کی روشنی میں' مذہبِ لامذہبیت کے خلاف معرکہ' یوسف کا سکول' نیکیوں کا تحالف' تاریخ کے مختلف ادوار میں مسلمانوں کے خلاف الزام تراشیاں' راہ ہدایت کی اہمیت' خود کو دھوکہ کیوں دیتے ہو' اسلام: آسانیوں کا دین' جوش اور استقلال قرآن کی روشنی میں' ہر چیز کے بارے میں خوش گمانی' قرآن کی غیر دانشمندانہ تفسیر' اسرارِ قرآنی' جراُتِ ایمانی' پُرامیدی قرآن کی روشنی میں' انصاف اور رواداری قرآن کی روشنی میں' اسلام کے بنیادی ارکان' اور وہ لوگ جو قرآن نہیں سنتے''۔

عرضِ مترجم

فاضل مصنف ہارون یحییٰ' اس سرزمین کے سکالر ہیں جہاں مصطفیٰ کمال کے دورِ حکمرانی میں لادینیت (سیکولرازم) کو زبردست عروج ملا- جس میں حمیتِ دینی کے علمبرداروں کو مختلف قسم کی تعزیری کارروائیوں کا نشانہ بننا پڑا' اور اسلامی شعائر کی اتنی تضحیک اڑائی گئی کہ کسی غیر مسلم حکمران کو بھی اس حد تک جانے کی ہمت نہ ہوسکی تھی- یہاں تک خدا کو اس کے اصلی نام ''اللہ'' سے پکارنا ممنوع قرار دے دیا گیا' البتہ ترکی زبان میں خدا کو ''تانری'' کہنے کی اجازت تھی- عربی میں آذان بھی ممنوع قرار پا گئی غرضیکہ لادینی اپنے پورے لاؤلشکر سمیت طویل عرصہ تک دندناتی رہی-

اس پس منظر والے ملک میں دینی شخصیات کو بے پناہ قربانیاں دے کر اسلامی تعلیمات کے احیاء کے لئے جدوجہد کرنا پڑی- بعض لوگ جماعتوں اور تنظیموں کی صورت میں اسلام کی تبلیغ کے لئے مساعی بروئے کار لا رہے ہیں تو بعض قلم کے ذریعہ جہاد کررہے ہیں- اس کتاب کے مصنف ہارون یحییٰ ایک ممتاز مذہبی سکالر ہیں جنہوں نے اسلام کے حوالے سے سائنسی موضوعات پر درجنوں کتابیں لکھی ہیں اور ان سائنسی افکار پر براہ راست ضربیں لگائی ہیں جن کی بنیاد پر لادین عناصر' اسلامی تعلیمات کو مسخ کرنے کی کوشش کرتے رہے ہیں- ہارون یحییٰ نے ''حملہ بہترین دفاع ہے'' (OFFENCE IS BEST DEFENCE) کے اصول پر ان نام نہاد سائنسی قلعوں پر گولہ باری کی ہے جن کے اندر سائنس کی بجائے لادینی افکار کو منظّم کیا جارہا تھا- ڈارون کے نظریۂ ارتقا پر ان کی گرفت خاص طور پر قابل

...سین قرار پاتی ہے' فاضل مصنف نے اس نظریہ کے علمبرداروں کی مادہ پرستی کو بے ...اب کر کے رکھ دیا ہے۔

ہارون یحییٰ نے نہ صرف قرآنی تعلیمات اور اسلامی فلسفے کا علم بلند کیا ہے بلکہ ...سلامی تصوف کو بھی عام' یعنی غیر صوفیانہ زبان میں اپنے قارئین تک پہنچایا ہے اور ہر ...وضوع اور ہر نقطے کے لئے قرآنی آیات کے حوالے دیے ہیں۔

ان کی کتابوں کا دنیا کی تقریباً ہر قابل ذکر زبان میں ترجمہ ہو چکا ہے جو دنیا کے کونے کونے میں پہنچ رہی ہیں اور اسلام کے فکری انقلاب کے لئے راہ ہموار کر ...ہی ہیں۔ امید ہے کہ اردو کے قارئین بھی ان کتابوں سے کما حقہٗ استفادہ کر سکیں گے۔

وَمَا عَلَيْنَا اِلَّا الْبَلَاغ.

محمد یحییٰ ایم اے' ایل ایل بی

356 جہاں زیب بلاک علامہ اقبال ٹاؤن لاہور

فون 7831161

یکم جون ۲۰۰۲ء

بنامِ قاری

اس کتاب میں ہم نے ''نظریۂ ارتقا کے انہدام'' کے لئے ایک الگ باب (بابِ آخر) مخصوص کیا ہے۔ اس کا سبب یہ ہے کہ دنیا میں جتنے روحانیت دشمن نظریات و افکار پائے جاتے ہیں' یہ نظریہ ان کی بنیاد ہے۔ چونکہ ڈارون کا نظریہ حقیقتِ تخلیق کے انکار پر مبنی ہے' اس لئے گزشتہ ۱۴۰ سال کے دوران بہت سے لوگ' اسی بنا پر ایمان کی دولت سے محروم ہو گئے یا کم از کم' شکوک و شبہات میں مبتلا ہو گئے۔ چنانچہ اس نظریئے کے فریب کو بے نقاب کرنا' ہماری اہم ذمہ داری ہے کیونکہ اس کا دین کے ساتھ گہرا تعلق ہے۔ ہوسکتا ہے کہ ہمارے کسی قاری کو ہماری کتابوں میں سے کوئی ایک ہی پڑھنے کا اتفاق ہو' اس لئے ہم مناسب سمجھتے ہیں کہ اس موضوع کا خلاصہ بیان کرنے کے لئے الگ باب مخصوص کر دیا جائے۔

فاضل مصنف نے اپنی تمام کتابوں میں ایمان وعقیدہ سے متعلقہ تمام مسائل پر قرآنی آیات کی روشنی میں اظہار خیال کیا ہے اور لوگوں کو کلام الٰہی سمجھنے اور اس کے مطابق زندگی بسر کرنے کی تلقین کی ہے۔ خدا کی نشانیوں سے متعلقہ تمام موضوعات کی اس انداز میں وضاحت کی گئی ہے کہ قاری کا ذہن ہر شک و شبہ سے پاک ہو جاتا ہے' اندازِ بیان ایسا سادہ و سلیس بے تصنع اور بے لاگ ہے کہ ہر عمر اور ہر ذوق کا آدمی' خواہ وہ کوئی بھی سماجی پس منظر رکھتا ہو کما حقہ' استفادہ کر سکتا ہے۔ ان کتابوں کے موثر اور دلنشین اندازِ بیان کی وجہ سے ایک ہی نشست میں پوری کتاب پڑھی جا سکتی ہے۔ حتیٰ کہ روحانیت کے کٹر مخالفین بھی ان کتابوں میں بیان کردہ حقائق سے متاثر ہوئے

بغیر نہیں رہتے- فاضل مصنف کی یہ کتاب اس کی دیگر کتابوں کی طرح انفرادی طور پر بھی پڑھی جاسکتی ہے- اور چند افراد ایک گروپ کی صورت میں بھی پڑھ سکتے ہیں اور دورانِ مطالعہ چاہیں تو اپنی اپنی آراء کا اظہار بھی کر سکتے ہیں- بطور گروپ مطالعہ کے دوران' ایک دوسرے کو اپنے ذاتی خیالات سے آگاہ کرنے سے' سب ارکان کو بہت فائدہ پہنچ سکتا ہے-

ان کتابوں کا مطالعہ کرنا' اور ان سے دوسروں کو استفادہ کرنے کا موقع دینا' دین کی بہت بڑی خدمت ہوگا' کیونکہ یہ صرف اور صرف خدا کی خوشنودی کی خاطر لکھی گئی ہیں- یہ عقیدے میں پختگی لانے اور قلب کو مطمئن کرنے کا بے حد موثر ذریعہ ثابت ہوں گی' اس لئے جو حضرات دوسروں تک مذہب کا پیغام پہنچانا چاہتے ہوں ان کے لئے اس کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ وہ انہیں ان کتابوں کے پڑھنے کی ترغیب دیں اور ہر ممکن طریقے سے ان کی حوصلہ افزائی کریں-

ان کتابوں میں آپ کو' بعض دوسری کتابوں کی طرح مصنف کے ذاتی خیالات سے سابقہ نہیں پڑے گا اور نہ ہی مشتبہ و مشکوک ذرائع پر مبنی وضاحتوں اور احترام و عقیدت سے تہی سطحی قسم کے اسلوبوں سے دوچار ہونا پڑے گا جو وسوسے اور عدم تیقن پیدا کرتے ہیں اور قاری کو قنوطیت میں مبتلا کر کے گمراہی کے اندھیروں کی طرف دھکیل دیتے ہیں-

تعارف

بہت سے لوگ سچے مومن ہونے کا دعویٰ کرنے کے باوجود درحقیقت قرآن پر ایمان نہیں رکھتے - غلط اور فرسودہ عقائد سے چمٹے رہتے ہیں اور ساری زندگی انہی پرفریب خیالات اور متناقض نظریات کی بھول بھلیوں میں گزار دیتے ہیں-لیکن قرآن کو اپنے لئے مشعل راہ اور رہنما بنانے سے گریزاں رہتے ہیں- حالانکہ قرآن ہی ہر شخص کے لئے صحیح علم کا واحد ذریعہ ہے جس میں خدا کے رازہائے تخلیق اپنی درست ترین اور خالص ترین شکل میں موجود ہیں- جو معلومات قرآن پر مبنی نہ ہوں وہ متناقض ہیں لہٰذا وہ محض دھوکہ اور فریب ہیں- جو لوگ قرآن سے اپنا تعلق نہیں جوڑتے فریب خوردگی کی حالت میں زندگی بسر کرتے ہیں اور وہ آخرت میں خود کو دائمی عذاب میں گرفتار پائیں گے-

قرآن مجید میں خداوند تعالیٰ نے انسانوں کو اوامرونواہی اور اعلیٰ اخلاقی معیارات سے آگاہ کرنے کے علاوہ کئی رازوں سے بھی مطلع کیا ہے۔ یہ بے حد اہم اور سچے راز ہیں ایک حقیقت شناس نگاہ زندگی بھر ان کا مشاہدہ کرسکتی ہے۔قرآن کے سوا ان رازوں سے آگاہی کے لیے کوئی اور ذریعہ نہیں ہے۔قرآن ان کا واحد منبع اور ماخذ ہے کوئی شخص خواہ کتنا ہی ذہین وفطین، تعلیمیافتہ اور نابغہ روزگار ہو ان رازوں کو کہیں اور سے تلاش نہیں کرسکتا-

اور یہ بات کہ بعض لوگ ان رازوں تک رسائی نہیں پاسکتے جب کہ بعض لوگ قرآن میں پوشیدہ پیغاموں تک فوراً پہنچ جاتے ہیں، یہ ایک اور خدائی راز ہے-

لوگ قرآن میں بتائے ہوئے حقائق کی تہہ تک پہنچنے کی کوشش نہیں کرتے ہمیشہ ابتلاؤں اور مشکلات سے دوچار رہتے ہیں۔ اس پر طرہ یہ کہ وہ اپنی ان ابتلاؤں اور آزمائشوں کے سبب سے بھی بالکل بے خبر رہتے ہیں۔ ان کے برعکس جو لوگ ان رازوں کو معلوم کر لیتے ہیں وہ اطمینان وسکون کی زندگی گزارتے ہیں۔ چنانچہ قرآن نے نہایت واضح اور آسان فہم انداز میں فرمایا ہے:

﴿ يَاأَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَاءَكُمْ بُرْهَانٌ مِنْ رَبِّكُمْ وَأَنْزَلْنَا إِلَيْكُمْ نُورًا مُبِينًا ۝ فَأَمَّا الَّذِينَ آمَنُوا بِاللَّهِ وَاعْتَصَمُوا بِهِ فَسَيُدْخِلُهُمْ فِي رَحْمَةٍ مِنْهُ وَفَضْلٍ وَيَهْدِيهِمْ إِلَيْهِ صِرَاطًا مُسْتَقِيمًا ۝ ﴾

(سورۃ النسآء: ۱۷۵، ۱۷۶)

''لوگو! تمہارے رب کی طرف سے تمہارے پاس دلیلِ روشن آ گئی ہے۔ اور ہم نے تمہاری طرف ایسی روشنی بھیج دی ہے جو تمہیں صاف صاف راستہ دکھانے والی ہے اب جو لوگ اللہ کی بات مان لیں گے اور اس کی پناہ ڈھونڈیں گے ان کو اللہ اپنی رحمت اور اپنے فضل وکرم کے دامن میں لے لے گا اور اپنی طرف آنے کا سیدھا راستہ ان کو دکھا دے گا''۔

تاہم انسانوں کی اکثریت انتہائی پیچیدہ مسائل حل کرنے کی صلاحیت اور چکرا دینے والے مبہم فلسفوں کو عملی جامہ پہنا سکنے کی اہلیت رکھنے کے باوجود قرآن کریم کی اس واضح اور سادہ بات کو سمجھنے سے قاصر رہتی ہے۔ یہ کتاب جس انداز میں وضاحت کرتی ہے وہ اپنی جگہ پر ایک اہم راز ہے۔ یہ لوگ اس عارضی دنیا میں تیزی سے بدلتی ہوئی زندگی کی حقیقت کو صحیح طور پر سمجھے بغیر ہر روز اپنی موت کے قریب تر پہنچ رہے ہیں۔ یہ قرآنی حقائق اہل ایمان کے لئے ایک نعمت ہیں جب کہ منکرین کے لئے اس دنیا میں بھی وبال اور اذیت ہیں اور آخرت میں بھی عذاب بنیں گے۔ خدا نے اس حقیقت کا

اظہار ذیل کی آیت میں کیا ہے:

﴿وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْاٰنِ مَا هُوَ شِفَآءٌ وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ وَلَا يَزِيْدُ الظّٰلِمِيْنَ اِلَّا خَسَارًا ۝﴾ (سورة بنی اسرائيل ۱۷: ۸۲)

''ہم اس قرآن کے سلسلۂ تنزیل میں وہ کچھ نازل کر رہے ہیں جو ماننے والوں کے لئے تو شفا اور رحمت ہے مگر ظالموں کے لئے خسارے کے سوا اور کسی چیز میں اضافہ نہیں کرتا''۔

یہ کتاب ان موضوعات سے متعلق ہے جنہیں قرآن نے اللہ کی نشانیاں اور اس کی حکمتیں قرار دیا ہے۔ جب انسان قرآن پڑھتا ہے تو اس کی توجہ ان آیات میں بیان کردہ حکمتوں کی طرف مبذول ہو جاتی ہے۔ جس کے بعد انسان پر لازم آتا ہے کہ وہ ان حکمتوں پر غور کرے اور واقعات کا قرآن کی روشنی میں جائزہ لے۔ ایسا کرنے سے انسان پر یہ حیرت انگیز انکشاف ہوگا کہ قرآن انسان کی زندگی پر بھی اسی طرح حاوی ہے جس طرح دوسری چیزوں پر ہے اس کی حکمت ذرے ذرے پر حاوی ہے۔

جونہی انسان صبح بیدار ہوتا ہے' ہر طرف خدا کی حکمتوں کے مظاہر کی فراوانی پاتا ہے۔ ان حکمتوں سے آگاہی کے لئے اسے صرف اس امر کی ضرورت ہے کہ وہ اپنے حواس بجا رکھے' خدا کی طرف رجوع کرے اور اپنی غور وفکر کی قوتوں کو بروئے کار لائے۔ پھر اسے محسوس ہوگا کہ اس کی زندگی باطل قوانین پر عمل کئے بغیر گزر سکتی ہے اور یہ کہ بہت سی دنیا صدیوں سے جس راہ پر چل رہی ہے وہ صحیح راستہ نہیں ہے اور یہ لوگ گمراہی کے گڑھے میں گرے ہوئے ہیں۔ سچ وہی ہے جو قرآن میں بتایا گیا ہے۔ جو شخص بھی خلوصِ دل سے قرآن پڑھتا ہے اور گردوپیش کے واقعات کو اسی کی روشنی میں دیکھتا ہے وہ خدا کا ولی ہے' خدا یقیناً اسے اپنی حکمتوں سے باخبر کر دے گا۔ اس غور وتدبر

کے بعد وہ اس نتیجے پر پہنچے گا کہ خدا وحدہٗ لاشریک ہے اور ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے جیسا کہ ان آیات میں بتایا گیا ہے:

﴿سَنُرِيهِمْ آيَاتِنَا فِي الْآفَاقِ وَفِي أَنفُسِهِمْ حَتَّىٰ يَتَبَيَّنَ لَهُمْ أَنَّهُ الْحَقُّ أَوَلَمْ يَكْفِ بِرَبِّكَ أَنَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدٌ ۝ أَلَا إِنَّهُمْ فِي مِرْيَةٍ مِّن لِّقَاءِ رَبِّهِمْ ۗ أَلَا إِنَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ مُّحِيطٌ﴾

(سورۃ حٰمٓ السجدہ : ۵۳، ۵۴)

''عنقریب ہم ان کو اپنی نشانیاں آفاق میں بھی دکھائیں گے اور ان کے اپنے نفس میں بھی۔ یہاں تک کہ ان پر یہ بات کھل جائے گی کہ یہ (قرآن) واقعی برحق ہے۔ کیا یہ بات کافی نہیں ہے کہ تیرا رب ہر چیز کا شاہد ہے۔ آگاہ رہو یہ لوگ اپنے رب کی ملاقات میں شک رکھتے ہیں۔ سن رکھو وہ ہر چیز پر محیط ہے''۔

خدا دعاؤں کا جواب دیتا ہے

خدائے قادرِ مطلق' جو نہایت رحم کرنے والا اور بے حد مہربان ہے' اپنی کتاب' قرآن مجید میں فرماتا ہے کہ وہ انسان کے بے حد قریب ہے' جب کوئی بندہ اس کے سامنے ہاتھ پھیلاتا ہے تو وہ اس کی دعا کو شرفِ قبولیت بخشتا ہے۔ ذیل کی آیتِ قرآنی ملاحظہ فرمائیے:

﴿وَإِذَا سَأَلَكَ عِبَادِي عَنِّي فَإِنِّي قَرِيبٌ أُجِيبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ إِذَا دَعَانِ فَلْيَسْتَجِيبُوا لِي وَلْيُؤْمِنُوا بِي لَعَلَّهُمْ يَرْشُدُونَ﴾ (سورة البقره : ١٨٦)

"اور اے میرے نبی' میرے بندے جب تم سے میرے متعلق پوچھیں تو انہیں بتا دو کہ میں ان سے قریب ہی ہوں۔ پکارنے والا جب مجھے پکارتا ہے' میں اس کی پکار (سنتا اور) جواب دیتا ہوں۔ لہٰذا انہیں چاہیے کہ میری دعوت پر لبیک کہیں اور مجھ پر ایمان لائیں۔ (یہ بات تم انہیں سنا دو) شاید کہ وہ راہِ راست پالیں"۔

جیسا کہ اس آیت میں کہا گیا ہے خدا ہر کسی کے قریب ہے' اسے ہر کسی کی خواہشات' جذبات' خیالات' کہے ہوئے ہر لفظ' ہر سرگوشی' حتیٰ کہ خیالات کے انبار تلے دبی ہوئی ہر تمنا کی خبر ہے چنانچہ جو کوئی بھی اس کی طرف رجوع کرتا ہے اور اس سے دعا کرتا ہے' وہ اس کی دعا کو سنتا ہے اور اس کو اچھی طرح جانتا ہے۔ یہ بنی نوع انسان پر خدا کا کرم اور اس کی عنایات کا ثبوت ہے۔ وہ قادرِ مطلق ہے کوئی چیز بھی اس کی طاقت سے باہر نہیں۔ وہ علیم وخبیر ہے۔ کائنات میں جو کچھ بھی پایا جاتا ہے وہ

اس کا مالک ہے۔ ہر وجود اور ہر چیز... بظاہر بڑی قوت اور بے پناہ مال و دولت رکھنے والے انسانوں سے لے کر مہیب اجرامِ فلکی سے لے کر زمین پر پائے جانے والے چھوٹے سے چھوٹے جاندار تک...... سب اللہ کے ہیں اور اس کے مکمل کنٹرول اور دستِ قدرت میں ہیں۔

جو شخص اس صداقت پر ایمان رکھتا ہے وہ کسی بھی حاجت کے لئے خدا سے دعا کر سکتا ہے اور امید رکھ سکتا ہے کہ اس کی دعا بارگاہ الٰہی سے شرفِ قبولیت پائے گی۔ مثال کے طور پر ایک شخص کسی نا قابل علاج بیماری میں مبتلا ہے وہ یقینی طور پر ہر قسم کے علاج کو آزمائے گا۔ پھر بھی یہ جانتے ہوئے کہ صحت' صرف خدا بحال کر سکتا ہے' وہ شفایابی کے لئے اسی ذاتِ بے ہمتا کے سامنے دستِ دعا دراز کرے گا۔ یا' ایک شخص کو کسی قسم کا خوف ہو یا بے چینی میں مبتلا ہو خدا سے امن و سلامتی اور اطمینانِ قلب کے لئے دعا مانگ سکتا ہے۔ جس شخص کو کام کی تکمیل کی راہ میں مشکلات پیش آ رہی ہوں وہ خدا سے ان مشکلات کو دور کرنے کی دعا مانگ سکتا ہے۔ خدا سے بیشمار تمناؤں اور چیزوں کے لئے دعا مانگی جا سکتی ہے' مثلاً راہِ ہدایت کے لئے دعا' دیگر مومنین کے ہمراہ جنت میں داخل ہونے کے لئے دعا' غرض ہر خواہش کے لئے رب کریم کے سامنے دستِ دعا بلند کیا جا سکتا ہے۔ آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے:

> ''کیا میں تمہیں اس ہتھیار کے بارے میں مطلع کر دوں جس سے تم دشمن کے شر سے محفوظ ہو جاؤ اور تمہارے رزق میں بھی فراوانی ہو جائے؟ صحابہؓ نے کہا ہاں' اللہ کے رسول ضرور بتایئے۔ اس پر آپ نے فرمایا' صبح شام اپنے رب کو یاد کیا کرو' کیونکہ دعا مومن کا ہتھیار ہے''۔ (عظیم مجموعۂ احادیث' جامع الفوائد من جامع الاصول و مجمع الزوائد: امام محمد بن محمد بن سلیمان)

تاہم اس میں ایک اور راز بھی ہے جس کا انکشاف قرآن نے کیا ہے' وہ یہ ہے کہ:

﴿وَيَدْعُ الْاِنْسَانُ بِالشَّرِّ دُعَآءَهٗ بِالْخَيْرِ وَكَانَ الْاِنْسَانُ عَجُوْلًا﴾

(بنی اسرائیل : ۱۱)

''انسان شر اس طرح مانگتا ہے جس طرح خیر مانگنی چاہئے' انسان بڑا جلد باز واقع ہوا ہے''۔

انسان کی مانگی ہوئی ہر دعا خیر ہی نہیں ہوسکتی۔ مثال کے طور پر ایک شخص خدا سے یہ دعا کرسکتا ہے کہ اسے اپنے بچوں کے مستقبل کے لئے جائداد اور دولت عطا کی جائے۔ تاہم ہوسکتا ہے کہ خدا کے نزدیک اس کی اس استدعا میں خیر موجود نہ ہو اور یہ خوشحالی اس کے بچوں کے لیے خدا سے دوری کا باعث بن سکتی ہو۔ اس لحاظ سے خدا اس شخص کی پکار کو سنتا ہے' اور اس کو بطور عبادت قبول فرما لیتا ہے' اس طرح اس دعا کا جواب بہترین طریقے سے دے دیتا ہے۔ ایک متبادل صورت یہ ہے کہ ایک شخص دعا کرتا ہے کہ اس تقرر میں کوئی تاخیر واقع نہ ہو۔ تاہم ہوسکتا ہے کہ اس کا منزل مقصود مقررہ وقت کے بعد پہنچنا بہتر ہو اور اس وقت اس کی ملاقات ایسے شخص سے ہو جائے جس سے ملنا اس کی دائمی زندگی کے لئے فائدہ مند ہو۔ خدا اس بات کو جانتا ہے' وہ اس دعا کا جواب اس شکل میں نہیں دیتا جس شکل کو انسان نے اپنے حق میں بہتر سمجھا تھا' بلکہ بہترین انداز میں دعا کو قبول کرتا ہے۔ یعنی خدا اس بندے کی بات سنتا ہے لیکن جب وہ دیکھتا ہے کہ اس دعا میں اس کے لئے بھلائی نہیں ہے تو وہ ایسی صورتِ حال پیدا فرما دیتا ہے جو اس کے لئے بہترین ثابت ہوتی ہے۔ دعاؤں کا یہ بہت اہم راز ہے جسے ہمیشہ ذہن میں رکھنا چاہیے۔

جب یہ محسوس ہو کہ میری دعا قبول نہیں ہوئی' ناواقفانِ رازِ الٰہی یہ فرض کر لیتے ہیں کہ خدا نے ان کی نہیں سنی۔ یہ مفروضہ یقیناً لاعلمی پر مبنی ہے کیونکہ خدا خود فرماتا ہے:

﴿وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْدِ﴾ (سورۃ ق : ۱۶)

''ہم اس کی رگِ گردن سے بھی زیادہ اس سے قریب ہیں''۔

کوئی شخص خواہ جو کچھ بھی کہے وہ اس کے ایک ایک لفظ کو جانتا ہے اس کے ہر خیال اور اس کی زندگی کے ہر لمحے سے باخبر ہے۔ جب کوئی سوجاتا ہے اور خواب دیکھنے لگتا ہے' خدا اس کے خوابوں کو بھی جانتا ہے۔

چونکہ وہ ہر کسی کا خالق ہے' اس لئے بندے کو یہ معلوم ہونا چاہئے کہ میں جتنی بار دعا کروں گا خدا اتنی ہی بار اس دعا کو میری عبادت کے طور پر قبول فرمائے گا۔ میری ہر خواہش کو مناسب ترین وقت پر پوری کرے گا اور میرے لئے ایسی صورت حال پیدا فرمائے گا جو میرے لئے بہترین ہوگی۔

نماز بھی دعا کی ایک قسم ہے' یہ عبادت بھی ہے اور خدا کی طرف سے بنی نوع کے لئے ایک تحفہ بھی۔ کیونکہ نماز بندے کو اس قابل بنا دیتی ہے کہ وہ جو کچھ چاہے اس کے ذریعے حاصل کرسکتا ہے۔ خدا نے نماز کی اہمیت اس آیت میں بیان فرمائی ہے:

﴿ قُلْ مَا يَعْبَؤُا بِكُمْ رَبِّي لَوْلَا دُعَآؤُكُمْ فَقَدْ كَذَّبْتُمْ فَسَوْفَ يَكُوْنُ لِزَامًا ۝ ﴾ (سورۃ الفرقان : ۷۷)

''اے نبی لوگوں سے کہو' میرے رب کو تمہاری کیا حاجت پڑی ہے اگر تم اس کو نہ پکارو' اب کہ تم نے جھٹلا دیا ہے' عنقریب وہ سزا پاؤ گے کہ جان چھڑانی محال ہوگی''۔

خدا تنگ دست اور پریشان بندوں کی دعائیں قبول فرماتا ہے

نمازوں کے اوقات میں بندہ خدا کی قربت کو واضح طور پر محسوس کرتا ہے۔ یہ قربت اس کے اندر عجز وانکسار اور محتاجی کے احساسات میں شدت پیدا کر دیتی ہے۔ جب وہ اس کے حضور میں دست بستہ ہو کر کھڑا ہوتا ہے تو محسوس کرتا ہے کہ میں بے حد کمزور اور عاجز بندہ ہوں خدا کے سوا کوئی بھی میری مدد نہیں کر سکتا۔ وہ جتنا زیادہ ضرورت مند ہوگا اسی کے تناسب سے اس کی نماز میں خشوع وخضوع پیدا ہوگا۔ مثال کے طور پر ہر شخص خدا سے امنِ عالم کے لئے دعا مانگتا رہتا ہے۔ تاہم جب جنگ چھڑی ہوئی ہو تو دعا کرنے والوں کی دعا میں زیادہ لجاجت اور زاری جھلک رہی ہوتی ہے۔ اسی طرح بحری جہاز کے طوفان میں گھرے ہونے اور طیارے کے گرنے کے خطرہ سے دوچار حالتوں میں جب مسافر فریاد کرتے ہیں تو ان کی دعاؤں میں بہت ہی زیادہ آہ وزاری کی کیفیات پائی جاتی ہیں۔ خدا نے اس صورتِ حال کا ذکر ذیل کی آیت میں کیا ہے۔

﴿قُلْ مَنْ يُنَجِّيكُمْ مِنْ ظُلُمَاتِ الْبَرِّ وَ الْبَحْرِ تَدْعُونَهُ تَضَرُّعًا وَّ خُفْيَةً لَئِنْ اَنْجٰنَا مِنْ هٰذِهٖ لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الشّٰكِرِيْنَ ٥﴾

(سورۃ الانعام:٦٣)

”اے نبیؐ ان سے پوچھو صحرا اور سمندر کی تاریکیوں میں کون تمہیں

خطرات سے بچاتا ہے؟ کون ہے جس سے تم (مصیبت کے وقت) گڑگڑا کر اور چپکے چپکے دعائیں مانگتے ہو (کس سے کہتے ہو) کہ اگر اس بلا سے اس نے ہمیں بچا لیا تو ہم ضرور شکر گزار رہوں گے"۔

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ انسان کو عاجزی اور تضرع کے ساتھ دعا کرنے کی ہدایت فرماتا ہے:

﴿اُدْعُوْا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَّ خُفْيَةً اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ ۝﴾

(سورۃ الاعراف : ۵۵)

"اپنے رب کو پکارو گڑگڑاتے ہوئے اور چپکے چپکے یقیناً وہ حد سے گزرنے والوں کو پسند نہیں کرتا"۔

ایک اور آیت میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ وہ مظلوم و مقہور اور حاجتمندوں کی آہ وزاریوں کا جواب دیتا ہے:

﴿اَمَّنْ يُّجِيْبُ الْمُضْطَرَّ اِذَا دَعَاهُ وَيَكْشِفُ السُّوْٓءَ وَيَجْعَلُكُمْ خُلَفَآءَ الْاَرْضِ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ قَلِيْلًا مَّا تَذَكَّرُوْنَ ۝﴾

(سورۃ النمل : ٦٢)

"کون ہے جو بے قرار کی دعا سنتا ہے جب کہ وہ اسے پکارے اور کون اس کی تکلیف رفع کرتا ہے؟ اور (کون ہے) جو تمہیں زمین کا خلیفہ بناتا ہے؟ کیا اللہ کے ساتھ کوئی اور خدا بھی (یہ کام کرنے والا) ہے۔ تم لوگ کم ہی سوچتے ہو"۔

اس امر میں کوئی شبہ نہیں کہ خدا کے روبرو گڑگڑانے اور بوقت ضرورت دعا مانگنے کے لئے موت کا سامنا ہونے جیسی صورتِ حال پیدا ہونا ضروری نہیں' یہ مثالیں اس لئے دی گئی ہیں کہ لوگوں کو اس کیفیت سے آگاہ کیا جائے جو خلوصِ دل سے دعا

کے لئے ہر شخص پر طاری ہونی چاہئے اور لمحۂ موت پر بھی غور کیا جائے جب لا پرواہی اور بے توجہی کا عالم ختم ہو چکا ہوگا اور انسان یقیناً پورے خلوص کے ساتھ خدا کی طرف متوجہ ہوگا۔ دوسری جانب اہل ایمان جو دل کی گہرائیوں کے ساتھ اللہ کی اطاعت کرتے ہیں وہ اپنی کمزوریوں کا ادراک رکھنے کی وجہ سے ہمیشہ عجز و خلوص کے ساتھ دعا مانگتے ہیں خواہ ان کے لئے موت اور زندگی کی کیفیت نہ بھی ہو۔ یہ نہایت اہم خصوصیت ہے جو انہیں کمزور ایمان والوں اور دولتِ ایمان والوں سے محروم لوگوں سے ممیز کرتی ہے۔

دعاؤں کے لئے کوئی حد مقرر نہیں

ہر شخص خدا سے ہر چیز' بغیر کوئی حد مقرر کئے (حلال ہونے کی شرط کے ساتھ) مانگ سکتا ہے کیونکہ جیسا کہ پہلے ذکر کیا جا چکا ہے' خدا پوری کائنات کا تنہا فرماں روا اور مالک ہے۔ اگر وہ چاہے تو بندے کو ہر چیز کسی بھی مقدار میں عطا کر سکتا ہے۔ جو شخص بھی خدا کی طرف رجوع کرے اور اس سے دعا مانگے تو اسے ہاتھ بلند کرتے وقت یہ بات ذہن نشین رکھنی چاہیے کہ خدا بے پناہ طاقتوں کا مالک ہے اور وہ ہر کام اور ہر چیز پر قادر ہے' دعا عاجزی اور پورے یقین کے ساتھ مانگی جانی چاہئے جیسا کہ ہمارے پیارے نبیؐ نے فرمایا ہے (صحیح بخاری جلد ۸، کتاب ۷۵ حدیث نمبر ۳۵۱) دعا کرنے والے کو معلوم ہونا چاہیے کہ خدا کے لئے ہر خواہش پوری کرنا بے حد آسان بات ہے اگر طلب کردہ چیز اس کے لئے مفید ہوگی تو اللہ تعالیٰ اس کی دعا کو یقیناً شرفِ قبولیت بخشے گا قرآن میں بیان کی گئی اور نبیؐ اور سچے اہل ایمان کی دعاؤں سے وہ مثال قائم ہوگئی ہے کہ بندہ خدا سے کیا کیا مانگ سکتا ہے۔ مثال کے طور پر حضرت زکریاؑ نے خدا سے نیک وارث مانگا' اور خدا نے اس حقیقت کے باوجود ان کی دعا قبول فرمائی کہ ان کی اہلیہ اصلاً بانجھ تھیں۔

﴿اِذْ نَادٰی رَبَّهٗ نِدَآءً خَفِيًّا ۝ قَالَ رَبِّ اِنِّيْ وَهَنَ الْعَظْمُ مِنِّيْ وَاشْتَعَلَ الرَّاْسُ شَيْبًا وَّلَمْ اَكُنْۢ بِدُعَآئِكَ رَبِّ شَقِيًّا ۝ وَاِنِّيْ خِفْتُ الْمَوَالِيَ مِنْ وَّرَآءِيْ وَكَانَتِ امْرَاَتِيْ عَاقِرًا فَهَبْ لِيْ مِنْ لَّدُنْكَ وَلِيًّا ۝ يَّرِثُنِيْ وَيَرِثُ مِنْ اٰلِ يَعْقُوْبَ وَاجْعَلْهُ رَبِّ رَضِيًّا ۝﴾ (سورۃ مریم آیات ۳ تا ۶)

''جب کہ اس نے اپنے رب کو چپکے چپکے پکارا۔ اس نے عرض کیا'' اے

پروردگار میری ہڈیاں تک گل گئی ہیں- اور سر بڑھاپے سے بھڑک اٹھا ہے- اے پروردگار میں کبھی تجھ سے دعا مانگ کر نامراد نہیں رہا- مجھے اپنے پیچھے اپنے بھائی بندوں کی برائیوں کا خوف ہے- اور میری بیوی بانجھ ہے- تو مجھے اپنے فضلِ خاص سے ایک وارث عطا کر دے جو میرا وارث بھی ہو اور آلِ یعقوب کی میراث بھی پائے- اور اے پروردگار اس کو ایک پسندیدہ انسان بنا''-

خدا نے حضرت زکریاؑ کی دعا قبول فرمائی اور اسے پیغمبر یحییٰ علیہ السلام کی پیدائش کی خبر سنائی- یہ بشارت سن کر حضرت زکریاؑ کو بڑی حیرت ہوئی کیونکہ ان کی اہلیہ بانجھ تھیں- حضرت زکریاؑ کی دعا کی قبولیت سے جو بات منکشف ہوتی ہے وہ ہر مومن کو ہمیشہ کے لئے ذہن نشین کر لینی چاہیے-

﴿قَالَ رَبِّ اَنّٰی یَکُوْنُ لِیْ غُلَامٌ وَّ کَانَتِ امْرَاَتِیْ عَاقِرًا وَّ قَدْ بَلَغْتُ مِنَ الْکِبَرِ عِتِیًّا ۝ قَالَ کَذٰلِکَ قَالَ رَبُّکَ ھُوَ عَلَیَّ ھَیِّنٌ وَّ قَدْ خَلَقْتُکَ مِنْ قَبْلُ وَ لَمْ تَکُ شَیْئًا ۝﴾ (سورۃ مریم : ۸، ۹)

''عرض کیا'' پروردگار! بھلا میرے ہاں کیسے بیٹا ہوگا جبکہ میری بیوی بانجھ ہے اور میں بوڑھا ہو کر سوکھ چکا ہوں'' - جواب ملا! ایسا ہی ہوگا- تیرا رب فرماتا ہے کہ یہ تو میرے لئے ایک ذرا سی بات ہے- آخر اس سے پہلے میں تجھے پیدا کر چکا ہوں جبکہ تو کوئی چیز نہیں تھا''-

قرآن مجید میں اور بھی کئی پیغمبروں کا ذکر آیا ہے جن کی دعائیں قبول ہوئی تھیں، مثلاً حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی قوم کے لئے عذاب بھیجنے کی استدعا کی تھی کیونکہ وہ لوگ ان کی زبردست تبلیغی مساعی کے باوجود گمراہ سے گمراہ تر ہو رہے تھے- جب پیغمبرؑ نے دعا کی تو اللہ تعالیٰ نے اسے قبول کر کے ان پر ایسا شدید عذاب بھیجا کہ وہ تاریخ کا حصہ بن گیا-

حضرت ایوب علیہ السلام نے اپنی بیماری سے تنگ آ کر کہا: ﴿اَنِّیْ مَسَّنِیَ

الضُّرُّ وَ اَنْتَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِیْنَ ﴾ (سورۃ الانبیاء:۸۳) ''مجھے بیماری لگ گئی ہے اور تو ارحم الراحمین ہے''۔ اس دعا کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے جو فرمایا' وہ یہ ہے:

﴿فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ فَكَشَفْنَا مَا بِهٖ مِنْ ضُرٍّ وَّ اٰتَیْنٰهُ اَهْلَهٗ وَ مِثْلَهُمْ مَّعَهُمْ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِنَا وَ ذِكْرٰى لِلْعٰبِدِیْنَ﴾ (سورۃ الانبیاء : ۸۴)

''ہم نے اس کی دعا قبول کی اور جو تکلیف اسے تھی اس کو دور کر دیا اور صرف اس کے اہل و عیال ہی اس کو نہیں دیئے بلکہ ان کے ساتھ اتنے ہی اور بھی دیئے' اپنی خاص رحمت کے طور پر اور اس لئے کہ ایک سبق ہو عبادت گزاروں کے لئے''۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت سلیمانؑ کی دعا بھی قبول فرمائی جنہوں نے یہ دعا کی تھی:

﴿قَالَ رَبِّ اغْفِرْ لِیْ وَهَبْ لِیْ مُلْكًا لَّا یَنْۢبَغِیْ لِاَحَدٍ مِّنْۢ بَعْدِیْ اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ ﴾ (سورۃ صٓ : ۳۵)

''اے میرے رب مجھے معاف کر دے اور مجھے وہ بادشاہی دے جو میرے بعد کسی کے لئے سزاوار نہ ہو بے شک تو ہی اصل داتا ہے''۔

چنانچہ خداوند قدوس نے انہیں عظیم ترین سلطنت اور دولت عطا فرمادی۔ اس طرح جو لوگ دعا کریں' یہ آیت ان کے ذہن نشین رہنی چاہیے:

﴿اِنَّمَاۤ اَمْرُهٗۤ اِذَاۤ اَرَادَ شَیْـًٔا اَنْ یَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَیَكُوْنُ ﴾

(سورۃ یٰسٓ : ۸۲)

''وہ تو جب کسی چیز کا ارادہ کرتا ہے تو اس کا کام بس یہ ہے کہ اسے حکم دے کہ ہو جا تو وہ ہو جاتی ہے''۔

جیسا کہ اس آیت کریمہ میں کہا گیا ہے' خدا کے لئے ہر کام بے حد آسان ہے۔ وہ ہر دعا کو سنتا ہے اور خوب جانتا ہے۔

خدا دنیا کی نعمتیں مانگنے والوں کی مرادیں پوری کر دیتا ہے مگر یہ لوگ آخرت میں شدید خسارے میں رہیں گے

جن لوگوں کے دل خوف خدا سے خالی ہیں اور فکرِ آخرت سے بے نیاز ہیں، انہیں زیادہ تر اموالِ دنیا اور عیش و عشرت سے غرض ہوتی ہے، اس لئے وہ اسی دنیا کی املاک و جائداد اور مراتب کی دعائیں مانگتے ہیں۔ اس پر خدا ہمیں بتاتا ہے کہ آخرت میں ان لوگوں کو کچھ بھی اجر نہیں ملے گا۔ دوسری جانب اہلِ ایمان اس دنیا میں بھلائی کے لئے بھی دعا مانگتے ہیں اور حیاتِ اخروی میں بھی سرخروئی اور عذاب سے نجات کے لئے دعا مانگتے ہیں۔ کیونکہ وہ آخرت کو بھی اتنی ہی یقینی مانتے ہیں جتنی کہ یہاں کی زندگی ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿فَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ رَبَّنَا اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا وَ مَا لَهٗ فِي الْاٰخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ ۝ وَ مِنْهُمْ مَّنْ يَّقُوْلُ رَبَّنَا اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّ فِي الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ ۝ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ نَصِيْبٌ مِّمَّا كَسَبُوْا وَاللّٰهُ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ۝﴾ (سورۃ البقرہ: ۲۰۰، ۲۰۱، ۲۰۲)

''ان میں کوئی تو ایسا ہے جو کہتا ہے کہ اے ہمارے رب ہمیں دنیا ہی میں سب کچھ دیدے۔ ایسے شخص کے لئے آخرت میں کوئی حصہ نہیں۔ اور کوئی کہتا ہے کہ اے ہمارے رب ہمیں دنیا میں بھی بھلائی دے اور آخرت میں بھی بھلائی۔ اور آگ کے عذاب سے ہمیں بچا۔ ایسے لوگ اپنی کمائی

کے مطابق (دونوں جگہ) حصہ پائیں گے۔ اور اللہ کو حساب چکاتے کچھ دیر نہیں لگتی''۔

اچھی صحت' دولت' علم اور آرام و راحت کے لئے تو اہل ایمان بھی دعا کرتے ہیں تاہم ان کی تمام دعاؤں کا مقصد خدا کی خوشنودی حاصل کرنا ہوتا ہے' ان سے دین کی بہتری بھی مطلوب ہوتی ہے۔ مثال کے طور پر وہ دولت اس لئے مانگتے ہیں کہ اسے راہِ خدا میں خرچ کر سکیں۔ اس سلسلے میں خدا قرآن میں حضرت سلیمان علیہ السلام کی مثال دیتا ہے ان کی اس خواہش کا دنیا سے دور کا تعلق بھی نہ تھا۔ ان کی ایسی سلطنت مانگنے جو بعد میں کسی کے پاس بھی نہ آ سکے' سے مراد یہ تھی کہ وہ اسے خدا کی راہ میں خرچ کرنا چاہتے تھے۔ وہ لوگوں کو دین کی دعوت دے رہے تھے اور خود خدا کی یاد میں مستغرق رہنا چاہتے تھے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کے الفاظ جن کا قرآن میں ذکر آیا ہے ان کے خلوص نیت کا اظہار کر رہے تھے۔

﴿فَقَالَ إِنِّيٓ أَحْبَبْتُ حُبَّ الْخَيْرِ عَنْ ذِكْرِ رَبِّي﴾ (سورۃ ص : ۳۲)
''اس نے کہا میں نے مال کی محبت اپنے رب کی وجہ سے اختیار کی ہے''۔

خدا نے حضرت سلیمان علیہ السلام کی اسی دعا کو قبول کر کے انہیں اس دنیا میں بڑی املاک بخشیں اور آخرت کے انعامات بھی عطا فرمائے۔ اس کے علاوہ خداوند تعالیٰ ان لوگوں کی خواہشات بھی پوری کر ڈالتا ہے جو صرف اسی دنیا کی زندگی کے طالب ہوتے ہیں تاہم آخرت میں ایک بڑے عذاب کو اپنا منتظر پاتے ہیں۔ یہاں دنیا میں طلب کردہ مال ومتاع آخرت میں ان کے پاس نہ ہوگا قرآن میں یہ اہم حقیقت ان الفاظ میں بیان ہوئی ہے:

﴿مَنْ كَانَ يُرِيدُ حَرْثَ الْآخِرَةِ نَزِدْ لَهُ فِي حَرْثِهِ وَمَنْ كَانَ يُرِيدُ حَرْثَ

الدُّنْيَا نُؤْتِهِ مِنْهَا وَمَالَهُ فِي الْآخِرَةِ مِنْ نَّصِيبٍ ﴾ (سورۃ الشوریٰ: ۲۰)

"جو کوئی آخرت کی کھیتی چاہتا ہے اس کی کھیتی کو ہم بڑھاتے ہیں اور جو دنیا کی کھیتی چاہتا ہے اسے دنیا ہی میں دیتے ہیں مگر آخرت میں اس کا کوئی حصہ نہیں ہے"۔

﴿مَنْ كَانَ يُرِيدُ الْعَاجِلَةَ عَجَّلْنَا لَهُ فِيهَا مَا نَشَاءُ لِمَنْ نُّرِيدُ ثُمَّ جَعَلْنَا لَهُ جَهَنَّمَ يَصْلَاهَا مَذْمُومًا مَّدْحُورًا﴾ (سورۃ بنی اسرآئیل: ۱۸)

"جو کوئی دنیا میں جلدی حاصل ہونے والے فائدوں کا خواہشمند ہوا سے یہیں ہم دے دیتے ہیں جو کچھ بھی جسے دینا چاہیں پھر اس کے مقسوم میں جہنم لکھ دیتے ہیں جسے وہ تاپے گا ملامت زدہ اور رحمت سے محروم ہو کر"۔

خدا شکر گزار بندوں کے لئے اپنی نعمتیں بڑھا دیتا ہے

ہر انسان اپنی زندگی کے ہر لمحے میں خدا کا محتاج ہے۔اس ہوا سے لے کر جس سے وہ سانس لیتا ہے' اس خوراک تک' جس سے وہ اپنا پیٹ بھرتا ہے' ہاتھ ہلانے کی اہلیت سے لے کر بولنے کی صلاحیت تک' کسی ممکنہ خطرے سے بچاؤ سے لے کر خوشی بھرے لمحات تک مکمل طور پر ان چیزوں کا محتاج ہے جو خدا نے پیدا کیں اور اسے عطا فرمائیں۔ پھر بھی انسانوں کی کثیر تعداد اپنی کمزوریوں کا ادراک نہیں کر سکتی کہ وہ خدا کے محتاج ہیں۔ انہوں نے یہ مفروضہ قائم کر رکھا ہے کہ یہ سب چیزیں ''ازخود'' (SPONTANEOUSLY) پیدا ہوئی ہیں یا وہ سمجھتے ہیں کہ ہم ان چیزوں کو اپنی محنت وکوشش کے ذریعہ پیدا کر رہے ہیں۔ یہ بہت بڑی غلط فہمی ہے اور ساتھ ہی خدا کی سخت ناشکری ہے۔ یہ مقام حیرت ہے کہ جو لوگ معمولی سے معمولی تحفے پر بھی انسانوں کا بار بار شکریہ ادا کرتے ہوئے نہیں تھکتے' اپنی پوری زندگی اس حالت میں گزار دیتے ہیں کہ خدا کی بے شمار نعمتوں کا' جو انہیں زندگی بھر حاصل رہیں' کبھی بھول کر بھی شکر ادا نہیں کرتے۔ تاہم خدا نے انسان کو اتنی نعمتوں سے نوازا ہے' اگر وہ انہیں گننا چاہے بھی تو نہیں گن سکتا۔ اللہ تعالیٰ نے اس حقیقت کا اظہار اس آیت میں کیا ہے:

﴿وَ اِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا. اِنَّ اللّٰهَ لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ﴾

(سورۃ النحل : ۱۸)

''اگر تم اللہ کی نعمتوں کو گننا چاہو تو گن نہیں سکتے۔ حقیقت یہ ہے کہ وہ بڑا ہی درگزر کرنے والا اور رحیم ہے''۔

اس حقیقت کے باوجود انسانوں کی اکثریت' بیشمار نعمتیں پا کر بھی ان پر اظہار تشکر نہیں کرتی۔ اس ناشکر گزاری کے رویے کا سبب بھی قرآن میں بتا دیا گیا ہے۔ شیطان' جس نے انسانوں کو خدا کی راہ سے بھٹکانے کی قسم اٹھا رکھی ہے' اعلان کیا تھا کہ اس کا اصل مقصد لوگوں کو خدا کے ناشکرے اور ناسپاس گزار بنانا ہے۔ اس نے خدا کے سامنے نافرمانی اور سرکشی پر مبنی جو بیانات دیئے اور جو ظاہر کئے انہی سے خدا کے شکر کی اہمیت اجاگر ہوتی ہے۔ مثلاً:

﴿ثُمَّ لَاٰتِیَنَّھُمْ مِّنْۢ بَیْنِ اَیْدِیْھِمْ وَ مِنْ خَلْفِھِمْ وَ عَنْ اَیْمَانِھِمْ وَ عَنْ شَمَآئِلِھِمْ وَلَا تَجِدُ اَکْثَرَھُمْ شٰکِرِیْنَ ○ قَالَ اخْرُجْ مِنْھَا مَذْءُوْمًا مَّدْحُوْرًا لَمَنْ تَبِعَکَ مِنْھُمْ لَاَمْلَئَنَّ جَھَنَّمَ مِنْکُمْ اَجْمَعِیْنَ ○﴾

(سورۃ الاعراف: ۷: ۱۷، ۱۸)

''پھر میں آگے اور پیچھے' دائیں اور بائیں ہر طرف سے انہیں گھیروں گا اور تو ان میں سے اکثر کو شکر گزار نہ پائے گا۔ فرمایا نکل جا یہاں سے ذلیل اور ٹھکرایا ہوا۔ اور یقین رکھ کہ میں ان میں سے جو تیری پیروی کریں گے تجھ سمیت ان سب سے جہنم کو بھر دوں گا''۔

دوسری جانب اہل ایمان اپنی کمزوریوں سے آگاہی رکھنے کی وجہ سے انتہائی عجز و انکسار کے ساتھ' اس کی عنایات پر یہ جانتے ہوئے اس کا شکر ادا کرتے ہیں کہ ہر چیز کا مالک حقیقی اللہ ہے' اپنے دل کی گہرائیوں سے اپنی اچھی صحت' اپنے حسن و جمال' اپنے علم و بصیرت' ایمان سے اپنی محبت' کفر سے اپنی نفرت' فہم و ادراک' دروں بینی کی قوت اور پیش بینی کی صلاحیت' ان سب نعمتوں پر اس کا شکر ادا کرتے ہیں۔ ایک خوبصورت منظر کو دیکھ کر' معاملات کو با آسانی طے ہوتے پا کر' اپنی خواہشات کی تکمیل ہوتے دیکھ کر' مسرتوں کے لمحات پا کر' گرد و پیش کے لوگوں کا اچھا طرزِ عمل دیکھ کر اور

اس طرح کی بے شمار عنایات پر اہل ایمان فوراً خدا کی طرف رجوع کرتے ہیں' اس کا شکرادا کرتے ہیں کہ اس نے ہم پر کتنا رحم وکرم کیا ہے۔

اس اچھے اخلاقی کردار کے عوض خداوند تعالیٰ نے اہلِ ایمان کے لئے بڑا اجر مقرر کر رکھا ہے۔ قرآن مجید میں اس نے ایک اور انعام کا بھی انکشاف کیا ہے وہ یہ ہے کہ اس نے شکر گزار بندوں کی نعمتوں میں اضافے کا اہتمام کر رکھا ہے۔ مثال کے طور پر وہ انہیں مزید بہتر صحت وقوت عطا فرماتا ہے انہیں مزید علم وبصیرت سے نوازتا ہے یا ان پر مزید دولت نچھاور کرتا ہے۔ یہ اس لئے کہ وہ اس کے مخلص بندے ہیں جو خدا کے دیے پر قانع رہتے ہیں اس کی عنایات پر خوشی کا اظہار کرتے رہتے ہیں اور خدا کو اپنا دوست سمجھتے ہیں۔ خدا تعالیٰ نے اس سلسلے میں قرآن مجید میں فرمایا کہ:

﴿وَاِذْ تَاَذَّنَ رَبُّكُمْ لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَاَزِيْدَنَّكُمْ وَلَئِنْ كَفَرْتُمْ اِنَّ عَذَابِىْ لَشَدِيْدٌ﴾ (سورة ابراهيم آيت ۷)

''اور یاد رکھو تمہارے رب نے خبردار کر دیا تھا کہ اگر شکر گزار بنو گے تو میں تم کو اور زیادہ نوازوں گا اور اگر کفرانِ نعمت کرو گے تو میری سزا بہت سخت ہے''۔

احساساتِ تشکر وممنونیت قربت اور محبت کی علامت بھی ہوتے ہیں جو لوگ یہ احساسات رکھتے ہیں وہ خدا کے پیدا کردہ حسن اور نعمتوں کی قدر بھی کر سکتے ہیں چنانچہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((اِذَا اٰتٰكُمُ اللّٰهُ مَالًا فَلْيُرَ اَثَرُ نعمتِ اللّٰهِ عَلَيْكَ))

''جب خدا تمہیں مال ودولت عطا کرے تو اس کا اظہار بھی ہونا چاہیے''۔

(رموز الحدیث' جلد اول ص ۲۲)

محروم ایمان اور ناشکر گزار شخص کا روّیہ اس سے بالکل برعکس ہوتا ہے' وہ خوبصورت ترین ماحول میں سے بھی عیب تلاش کر لیتا ہے' اس طرح اکثر ناخوش اور غیر مطمئن زندگی گزارتا ہے۔ ایسے لوگوں کو پیدا کرنا بھی یقیناً خدا کی کوئی حکمت ہی ہو گا کہ یہ لوگ ہمیشہ بظاہر ناسازگار حالات اور ناخوشگوار مناظر سے دوچار رہتے ہیں۔ دوسری جانب رب کریم اپنے مخلص اور بابصیرت بندوں پر مزید نعمتیں نچھاور کرتا ہے جس سے ان کی طمانیتِ قلب بڑھتی رہتی ہے۔ شکر گزار بندوں کو خدا کی نعمتوں میں سے وافر حصہ نصیب ہونا بھی قرآنی رازوں میں سے ایک راز ہے۔ تاہم یہ بات اچھی طرح ذہن نشین کر لی جانی چاہیے کہ تشکر کے جذبات پیدا ہونے کے لئے خلوص اور سچائی شرطِ اولین ہے۔ دل کی گہرائیوں میں خدا کی محبت اور اس کی نعمتوں کا بے پایاں احساس موجود ہوئے بغیر جو اظہار تشکر کیا جاتا ہے وہ صرف انسانوں کو متاثر کرنے کے لئے کیا جاتا ہے محض فریب و ریاکاری ہوتا ہے۔ خدا جانتا ہے کہ دلوں کے اندر کیا چھپا ہوا ہے۔ ایسے فریب کا پردہ کبھی نہ کبھی چاک ہو کر رہتا ہے' اندر کی کیفیات انسانوں سے تو پوشیدہ رکھی جا سکتی ہیں' خدا سے نہیں۔ دکھاوے کے طور پر اظہار تشکر اسی وقت تک ممکن ہوتا ہے جب کوئی عارضہ یا تکلیف نہ ہو لیکن جب کوئی آزمائش یا پریشانی آ جائے تو ایسے لوگ فوراً ناشکری اور احسان فراموشی کی حالت میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔

اہل ایمان مساعد ترین حالات میں بھی خدا کے شکر گزار رہتے ہیں۔ باہر سے دیکھنے والا شخص ان پر اللہ کی عنایات میں کمی واقع ہوتے تو دیکھ سکتا ہے لیکن سچے مومن ایسے واقعات اور صورت احوال میں سے بھی خیر کا پہلو تلاش کر لیتے ہیں۔ مثال کے طور پر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ''میں اپنے بندوں کو خوف' بھوک' نقصِ اموال یا جان سے آزماؤں گا''۔ ایسی صورت میں اہل ایمان خوشی محسوس کرتے ہیں اور دلی طور پر مطمئن

رہتے ہیں کیونکہ انہیں امید ہوتی ہے کہ اس آزمائش میں صبر و استقامت کا مظاہرہ کرنے کے عوض خدا جنت میں بہترین نعمتوں سے نوازے گا۔ وہ یہ بھی جانتے ہیں کہ خدا کسی پر اس کی وسعتِ استطاعت سے زیادہ بوجھ نہیں ڈالتا۔ ان حقائق کا شعور ان کے دلوں کو صبر و تشکر کے جذبات سے مالا مال کر دیتا ہے۔ اس لئے اہل ایمان کی غیر متزلزل اطاعت کیشی و استقامت کا جذبہ انہیں دنیا و آخرت میں خداوند تعالیٰ کی نعمت ہائے کثیر کا مستحق بنا دیتا ہے۔

قسمت پر راضی رہنے اور خدا پر بھروسہ کرنے کے فوائد

خدا پر بھروسہ کرنا ان اہل ایمان کی خصوصیت ہے جو خدا کی طاقت کو سمجھ سکے ہوں اور اس کے قریب تر ہوں۔ خدا پر بھروسہ کرنے کے بہت سے فوائد اور برکات ہیں۔ اس بھروسے میں خدا کی اطاعت کرنا اور اس کی پیدا کردہ تقدیر پر راضی ہو جانا بھی مضمر ہے۔ تمام موجودات' تمام جاندار و بے جان اشیا اور تمام نباتات جمادات کو اس نے ایک مقصد یا ایک تقدیر کے تحت پیدا کیا ہے' سورج' چاند' سمندر' دریا' جھیلیں' درخت' پھول' ایک چھوٹی چیونٹی' ایک گرتا ہوا پتہ' آپ کے ڈیسک پر پڑی ہوئی خاک کا ذرہ' چٹان جس پر آپ پاؤں رکھ کر گزر جاتے ہیں' وہ قمیض جو دس سال قبل آپ نے خریدی' آپ کے ریفریجریٹر میں پڑا ہوا آلو بخارا' آپ کی والدہ' آپ کے پرائمری سکول کے دوست اور آپ خود الغرض ہر چیز کا ایک مقدر ہے جو لاکھوں سال پہلے خدا کی نظر میں طے پا چکا تھا۔ ہر چیز کا مقدر ایک کتاب میں لکھا ہوا ہے جسے قرآن میں ام الکتاب کہا گیا ہے۔ موت کا لمحہ' آپ کا قدم پڑنے سے پہلے چٹان پر گزرنے والے مرحلے' مختصراً یہ کہ ہر واقعہ خواہ وہ اہم سمجھا جاتا ہو یا غیراہم اس کتاب میں درج ہے۔

تمام مومن تقدیر پر ایمان رکھتے ہیں اور وہ جانتے ہیں کہ جو تقدیر خدا مقرر کرتا ہے' وہی ان کے بہترین مفاد میں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ زندگی کے ہر لمحے میں خدا پر بھروسہ کرتے ہیں۔ بہ الفاظ دیگر وہ جانتے ہیں کہ خدا تمام امور ایک مقدس مقصد کے

تحت مقرر کرتا ہے۔ اور وہ جو کچھ بھی پیدا کرتا ہے اس میں کوئی بھلائی مضمر ہے۔ مثال کے طور پر کسی مہلک مرض میں مبتلا ہو جانے' کسی خوفناک و بے رحم دشمن کا سامنا ہو جانے' بے گناہ ہونے کے باوجود جھوٹا الزام لگ جانے' یا انتہائی دہشت ناک صورتِ حال سے دوچار ہو جانے کے باوجود مومنوں کے دل میں کوئی خوف پیدا نہیں ہوتا۔ خدا نے ان کے لئے جو کچھ بھی پیدا کیا ہے وہ اس کا خیر مقدم کرتے ہیں۔ اہل ایمان ایسی صورت احوال پر خوشی محسوس کرتے ہیں جس سے عام طور پر محروم ایمان لوگ خوفزدہ ہو جاتے ہیں یا قعرِ مایوسی میں ڈوب جاتے ہیں۔ اس لئے کہ وہ سمجھتے ہیں کہ ہمارے رب نے یہ صورتِ حال' ہماری آزمائش کے لئے پہلے سے طے کر رکھی ہے' یہ اس کے منصوبے کے مطابق ہے کہ وہ ہمیں اس طرح سے آزمائے۔ جو لوگ اس صورتِ حال میں استقامت کا مظاہرہ کرتے ہیں' خدا پر بھروسہ کر کے اس کی بنائی ہوئی تقدیر کے سامنے سرِ تسلیم خم کرتے ہیں تو وہ خدا کی خوشنودی حاصل کرتے ہیں اور جنت کے مستحق قرار پاتے ہیں جس میں انہوں نے دائمی طور پر رہنا ہے۔ یہ احساس اور عقیدہ انہیں زندگی بھر روحانی خوشی عطا کرتا رہتا ہے۔ خدا نے تقدیر کے اس راز سے اپنے بندوں کو مطلع کر کے ان پر بہت بڑا کرم کیا ہے چنانچہ قرآن میں کہا گیا ہے:

﴿إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِينَ ...﴾ (سورة آل عمران : ١٥٩)

''اللہ توکل کرنے والوں سے محبت کرتا ہے''۔

پیغمبر خدا نے بھی یہ مفہوم بایں الفاظ ادا کیا ہے:

''کسی بندے کا ایمان اس وقت تک کامل نہیں ہو سکتا جب تک وہ تقدیر میں خیر و شر کے ہونے پر ایمان نہ لایا ہو' اور یہ نہ جانتا ہو کہ اسے جو کچھ پیش آئے (شر یا خیر) وہ اس سے نہیں بچ سکتا' اور وہ اس چیز (خیر و شر) کو

نہیں پکڑ سکتا جو اس کے ہاتھ سے نکل چکی ہو-

(رواہ الترمذی' باب التقدیر: ۱۰، ۲۱۴۵)

ایک اور نقطہ جس کا توکل بر خدا کے سلسلے میں قرآن میں ذکر آیا ہے "تدبیر" کے بارے میں ہے- قرآن ہمیں ان بہت سے تدبیری اقدامات کے بارے میں مطلع کرتا ہے جو بوقت ضرورت اختیار کئے جا سکتے ہیں- اس سلسلے میں کئی آیات اتری ہیں جن میں یہ بھی ارشاد فرمایا گیا ہے کہ یہ اقدامات جنہیں خدا اگرچہ بطور عبادت قبول کرتا ہے لیکن یہ تقدیر کو تبدیل نہیں کر سکتے- حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنے بیٹوں کو شہر میں داخل ہوتے وقت چند تدابیر اختیار کرنے کی نصیحت کی تھی لیکن آخر میں انہیں یاد دلایا تھا کہ انہیں ہر حال میں اللہ پر توکل کرنا ہوگا- متعلقہ آیت یہ ہے:

﴿وَ قَالَ يٰبَنِيَّ لَا تَدْخُلُوْا مِنْۢ بَابٍ وَّاحِدٍ وَّ ادْخُلُوْا مِنْ اَبْوَابٍ مُّتَفَرِّقَةٍ وَ مَاۤ اُغْنِيْ عَنْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَ عَلَيْهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُتَوَكِّلُوْنَ ۝﴾

(سورة یوسف: ٦٧)

"پھر اس نے کہا: میرے بچو! مصر کے دارالسلطنت میں ایک دروازے سے داخل نہ ہونا' بلکہ مختلف دروازوں سے جانا- مگر میں اللہ کی مشیت سے تمہیں نہیں بچا سکتا' حکم اس کے سوا کسی کا بھی نہیں چلتا' اسی پر میں نے بھروسہ کیا اور جس کو بھی بھروسہ کرنا ہو' اسی پر کرے"-

جیسا کہ حضرت یعقوب علیہ السلام کے الفاظ سے ظاہر ہوتا ہے- اہل یمان یقیناً احتیاطی تدابیر اختیار کرتے ہیں لیکن وہ خوب جانتے ہیں کہ وہ خدا کی بنائی ہوئی تقدیر کو نہیں بدل سکتے- مثال کے طور پر ایک شخص کو ٹریفک کے قواعد کی

لازماً پابندی کرنی چاہئے اور لاپرواہی سے گاڑی نہیں چلانی چاہئے- یہ ایک اہم تدبیر ہے جو عبادت کی بھی ایک قسم ہے' اسے اختیار کرنے میں ڈرائیور کی اپنی سلامتی بھی مضمر ہے اور دوسروں کی بھی- تاہم اگر خدا یہ چاہتا ہے کہ وہ کار سوار ایکسیڈنٹ میں مر جائے تو کوئی تدبیر اسے مرنے سے نہیں بچا سکتی- بعض اوقات ایسا محسوس ہو سکتا ہے کہ ایک احتیاطی تدبیر یا احتیاطی کارروائی نے اس شخص کو موت کے منہ میں جانے سے بچا لیا ہے- یا کوئی شخص ایسا فیصلہ کن قدم اٹھا سکتا ہے جو اس کی پوری زندگی کے راستے کو تبدیل کر کے رکھ دیتا ہے- یا کوئی شخص قوتِ برداشت یا عزم صمیم کی بدولت کسی مہلک مرض سے صحت یاب ہو جاتا ہے تاہم یہ سب تدابیر اسی صورت میں کارگر ہوتی ہیں جب اللہ تعالیٰ اس کا فیصلہ صادر فرما دے- بعض لوگ ایسے واقعات کی یوں تعبیر کرتے ہیں کہ ''اس نے اپنی تقدیر پر قابو پا لیا'' یا ''اس نے اپنے مقدر پر فتح پا لی' لیکن کوئی شخص خواہ بظاہر کتنا ہی جری اور حوصلہ مند ہو اور دنیا کا بہادر ترین آدمی کہلواتا ہو' خدا کے فیصلے کو تبدیل نہیں کر سکتا- کوئی شخص اتنی قوت کا مالک نہیں ہو سکتا کہ اس قادرِ مطلق کے فیصلوں پر اثر انداز ہو سکے- اس کے برعکس یہ کہا جانا چاہیے کہ خدائی فیصلوں کے سامنے ہر کوئی بے بس اور کمزور ہے- یہ حقیقت کہ بعض لوگ حقیقت کو قبول نہیں کرتے' سچائی کو تبدیل نہیں کر سکتی- دراصل ان کا اپنی تقدیر سے انکار کرنا بھی مقدر ہو چکا ہے- چنانچہ جو لوگ موت یا بیماری سے بچ نکلتے ہیں' یا جن کی زندگی کا راستہ مکمل طور پر تبدیل ہو چکا ہے' اس میں اس لئے کامیاب ہوئے ہیں کہ ایسا ہونا پہلے سے ان کی تقدیر میں لکھا ہوا تھا- اس امر کا قرآن میں یوں ذکر آیا ہے:

﴿مَآ اَصَابَ مِنْ مُّصِيْبَةٍ فِي الْاَرْضِ وَلَا فِيْٓ اَنْفُسِكُمْ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مِّنْ قَبْلِ اَنْ نَّبْرَاَهَا ۭ اِنَّ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرٌ ۝ لِّكَيْلَا تَاْسَوْا عَلٰي

مَا فَاتَكُمْ وَلَا تَفْرَحُوْا بِمَآ اٰتٰكُمْ. وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُوْرٍ ۝﴾ (سورة الحديد : ۲۲، ۲۳)

''کوئی مصیبت ایسی نہیں ہے جو زمین میں یا تمہارے نفس پر نازل ہوتی ہو اور ہم نے اس کو پیدا کرنے سے پہلے ایک کتاب (یعنی نوشتۂ تقدیر) میں لکھ نہ رکھا ہو- ایسا کرنا اللہ کے لئے بہت آسان کام ہے- (یہ سب کچھ اس لئے ہے) تا کہ جو کچھ بھی نقصان تمہیں ہو اس پر تم دل شکستہ نہ ہو اور جو کچھ اللہ تمہیں عطا فرمائے اس پر پھول نہ جاؤ' اللہ ایسے لوگوں کو پسند نہیں کرتا جو اپنے آپ کو بڑی چیز سمجھتے ہیں اور فخر جتاتے ہیں''-

جیسا کہ مندرجہ بالا آیت میں فرمایا گیا ہے جو واقعہ بھی رونما ہوتا ہے' اس کا فیصلہ پہلے سے ہو چکا ہوتا ہے' اور ایک کتاب میں جو اللہ کے پاس ہے لکھا ہوا موجود ہے- اس لئے اللہ انسان سے کہتا ہے کہ جو کچھ اس کے ہاتھ سے نکل چکا ہو اسے اس پر غمزدہ نہیں ہونا چاہئے- مثلاً ایک شخص کی ساری جائداد آگ میں جل گئی یا تجارتی خسارے کی زد میں آ گئی' اسے یہ نقصان اس لئے ہوا ہے کہ ایسا ہونا پہلے سے مقدر تھا- اس نقصان سے بچ نکلنا' یا وقوع پذیر ہونے والے واقعات کا رخ تبدیل کر دینا ممکن نہیں تھا- لہٰذا ایسے نقصان پر غمزدہ ہونا کارِ عبث ہوگا- خدا نے جو واقعات اپنے بندوں کے لئے مقدر کر دیئے ہوتے ہیں وہ ان کے لئے آزمائش ہوتے ہیں- اللہ پر بھروسہ رکھنے والے بندے جب ان پر صبر کرتے ہیں تو اللہ کی خوشنودی اور اس کی محبت پاتے ہیں- دوسری طرف جو لوگ خدا پر بھروسہ کرنے میں ناکام رہتے ہیں وہ اس دنیا میں زندگی بھر پریشانیوں' بے چینیوں اور غموں سے نجات نہیں پا سکیں گے' اور اگلے جہان میں بھی ہمیشہ کا عذاب جھیلتے رہیں

گے۔اس لئے یہ بات بالکل واضح اور صاف ہے کہ خدا پر توکل کرنا' اس دنیا میں بھی فائدہ مند اور باعثِ راحت ہے اور آخرت میں بھی ایسا ہی ہوگا۔خدا نے اہلِ ایمان کو ان رازوں سے مطلع کر کے انہیں مشکلات سے نجات دلا دی ہے اور اس دنیا میں ان کی آزمائش کو ان کے لئے آسان بنا دیا ہے۔

ہر واقعہ باعثِ خیر و برکت ہے

اللہ تعالیٰ ہمیں بتاتا ہے کہ وہ ہر واقعہ کو ہماری بھلائی کے لئے تخلیق کرتا ہے۔ یہ ایک اور بھید ہے جو ایک مومن کے لئے توکل بر خدا کو پختہ تر اور آسان بنا دیتا ہے۔ خدا بتاتا ہے کہ جو واقعات بظاہر ناموافق دکھائی دیں ان میں بھی بڑی بھلائی مضمر ہوتی ہے۔ ارشاد ہوتا ہے:

﴿فَعَسٰٓى اَنْ تَكْرَهُوْا شَيْئًا وَّ يَجْعَلَ اللّٰهُ فِيْهِ خَيْرًا كَثِيْرًا﴾

(سورۃ النساء: ۱۹)

''ہوسکتا ہے کہ ایک چیز تمہیں پسند نہ ہو مگر اللہ نے اسی میں بہت کچھ بھلائی رکھ دی ہو''۔

﴿وَعَسٰٓى اَنْ تَكْرَهُوْا شَيْئًا وَّهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ وَعَسٰٓى اَنْ تُحِبُّوْا شَيْئًا وَّ هُوَ شَرٌّ لَّكُمْ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَ اَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ﴾(سورۃ البقرہ: ۲۱٦)

''.....اور ہوسکتا ہے کہ ایک چیز تمہیں ناگوار ہو اور وہی تمہارے لئے بہتر ہو اور ہوسکتا ہے کہ ایک چیز تمہیں پسند ہو اور وہی تمہارے لیے بری ہو۔ اللہ جانتا ہے، تم نہیں جانتے''۔

اس راز سے آگاہی حاصل کرنے کے بعد اہل ایمان ہر واقعہ میں سے خوبی اور حسن تلاش کرتے ہیں ظاہری طور پر کوئی ناگوار واقعہ، کوئی جان جوکھوں کا کام یا کوئی کڑی آزمائش اہل ایمان کو تشویش میں مبتلا نہیں کرتی اور ان کی دل جمعی و سکون میں کوئی فرق نہیں پڑتا، خواہ واقعہ معمولی ہو یا سنگین نوعیت کا ہو۔ ایک مخلص مسلمان

اپنی بڑی محنت کی کمائی کے ضائع ہو جانے میں بھی خدا کی طرف سے کوئی بھلائی مضمر پاتا ہے' اہل ایمان زندگی کے عطیے پر ہزار ہزار شکر بجالاتے رہتے ہیں- وہ ایسے نقصانات پر اس طرح سوچتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں کسی برائی میں پھنسنے سے بچالیا ہے یا اس مال و دولت سے حد سے بڑھی ہوئی محبت کے فتنے سے محفوظ کر دیا ہے ۔ چنانچہ اس عقیدے کے تحت وہ تہہ دل سے خدا کا شکر ادا کرتے ہیں کہ اس دنیا میں ہونے والا کوئی بھی نقصان آخرت کے نقصان کے برابر نہیں- آخرت کے نقصان کا مطلب' دائمی اور ناقابل برداشت عذاب ہے- وہ آخرت کی یاد میں اتنے محو رہتے ہیں کہ وہ ہر واقعہ کو اپنے ساتھ بھلائی اور آگے کی منزلیں آسان ہو جانے کا ذریعہ سمجھتے ہیں- جو لوگ ان آزمائشوں پر پورے اترتے ہیں' وہ خدا کے سامنے اپنی بے بسی اور کمزوری کا احساس کر کے اس کی طرف مزید عاجزی و تضرع کے ساتھ رجوع کرتے ہیں' نمازوں میں ان کا خشوع و خضوع مزید بڑھ جاتا ہے اور خدا کو دل کی زیادہ گہرائیوں سے یاد کرنے لگتے ہیں جس سے انہیں اپنے مالک حقیقی کا مزید قرب حاصل ہو جاتا ہے- یہ صورت حال ان کی آخرت کو اور بھی زیادہ سنوار دیتی ہے- اس کے ساتھ ساتھ ان میں جو خدا پر بھروسہ اور استقامت بڑھتی ہے وہ ان کے لئے خدا کی مزید خوشنودی کا ذریعہ بنتی ہے اس سے ان کا استحقاقِ جنت اور بھی بڑھ جاتا ہے-

ایک مومن کو بھلائی اور نیکی صرف آزمائش ہی میں تلاش نہیں کرنی چاہئے بلکہ اپنے معمولاتِ زندگی میں بھی ان کے حصول کا اہتمام کرنا چاہئے- مثال کے طور پر کسی نے بڑی محنت کر کے کھانا پکایا مگر وہ جل گیا' اس سے اسے یہ سمجھنا چاہئے کہ ہو سکتا ہے کہ اس کے عوض خدا نے مجھے کسی بڑے حادثے سے بچالیا ہے- ایک نوجوان نے کالج میں داخلے کے لئے ٹیسٹ دیا اور اس سے تابناک مستقبل کے لئے امیدیں

باندھیں' اگر وہ ٹیسٹ میں ناکام ہو جائے تو اسے یہ سمجھنا چاہئے کہ میری ناکامی ہی میں میری بھلائی مضمر تھی۔ ہوسکتا ہے کہ خدا نے مجھے کسی ناگوار تر صورت حال سے بچالیا ہو۔ ایسا سوچنے سے وہ ٹیسٹ میں ناکامی پر مغموم ہونے کی بجائے خوشی محسوس کرے گا۔ یا وہ یوں سوچ کہ خدا نے ہر واقعہ میں انسان کے لئے کئی بھلائیاں رکھی ہیں' بعض بھلائیاں تو صاف نظر آجاتی ہیں لیکن بعض کے نتائج کا وقتی طور پر تصور نہیں کیا جاسکتا۔ اس لئے ایک مومن یا مومنہ کو ہمیشہ خدا کی مرضی کے سامنے سرِ تسلیم خم کر کے زندگی گزارنی چاہئے اور اس سے خیر اور بہتر رہنمائی کے لئے دست بہ دعا دراز رہنا چاہئے۔

یہ ضروری نہیں ایک انسان کو ہر واقعہ کے پیچھے کارفرما خدا کی حکمت اور بھلائی کا علم ہو سکے۔ اس صورت میں بھی اسے یقین رکھنا چاہئے کہ تمام واقعات کے پیچھے اس کی بھلائی اور خیر خواہی موجود ہے۔ اسے اپنی نماز میں خدا سے بھلائی اور ہدایت مانگتے رہنا چاہئے۔

جو لوگ جانتے ہیں کہ خدا کی پیدا کی ہوئی چیز کا کوئی نہ کوئی مقصد ہے وہ یہ جملے زبان پر کبھی نہیں لاتے۔ ''کاش میں ایسا نہ کرتا''۔ ''کاش میں ایسا نہ کہتا''۔ وغیرہ وغیرہ۔ غلطیوں' خامیوں یا بظاہر افسوسناک واقعات میں بھی لازماً اس کی رحمتیں اور کرم فرمائیاں شامل ہوتی ہیں اور ان میں سے ہر واقعہ میں کوئی نہ کوئی آزمائش ہوتی ہے۔ ہر شخص کے لئے فرداً فرداً بنائی ہوئی خدا کی تقدیر میں اہم سبق یا تنبیہات مضمر ہوتی ہیں۔ جو لوگ چشمِ بصیرت سے ہر چیز اور ہر واقعہ کا جائزہ لے سکتے ہیں ان کے لئے پیش آمدہ واقعات سرزنش یا سزا نہیں ہوتے بلکہ خدا کی طرف سے دیا گیا سبق' نصیحت یا کسی خطرے کی گھنٹی ہوتی ہے۔ مثال کے طور پر جب ایک مسلمان کی دکان جل جاتی ہے' اس پر وہ اپنی روح کو ٹٹولتا ہے اور پہلے سے بھی زیادہ خلوص کے ساتھ

خدا کی طرف رجوع کرتا ہے اور سمجھتا ہے کہ خدا نے مجھے دنیا اور اس کے مال و متاع میں زیادہ منہمک ہو جانے پر جھنجھوڑا ہے' تازیانہ مار کر مجھے خوابِ غفلت سے بیدار کیا ہے۔

نتیجتاً انسان کو اس کی زندگی میں جو کچھ بھی پیش آتا ہے' تمام آزمائشیں اور کٹھن گھڑیاں بالآخر ختم ہو جاتی ہیں بعد میں جب وہ ان ابتلاؤں پر نظر دوڑاتا ہے تو اسے اس بات پر حیرت ہوتی ہے کہ ان میں سے کوئی واقعہ بھی ایک ذہنی یادداشت سے بڑھ کر کچھ نہیں ہوتا بالکل ایسے جیسے کسی فلمی کہانی کا کوئی منظر یاد رہ جاتا ہے۔ چنانچہ ایک دن آئے گا جب ایک انتہائی اذیت ناک تجربہ بھی محض ایک یاد بن کر رہ جائے گا یعنی فلمی منظر کی طرح یاد آئے گا۔ صرف ایک ہی چیز باقی رہے گی وہ طرز عمل جو اس بندے نے بوقت آزمائش اختیار کیا ہو گا وہ اسے یاد آئے گا اور وہ پھر سوچے گا کہ خدا مجھ سے راضی ہوا ہے یا نہیں؟ کسی شخص سے اس کے تجربات کے بارے میں حساب نہیں لیا جائے گا بلکہ اس کے طرز عمل' اس کے خیالات اور اس کے خلوص کے بارے میں سوال ہو گا جس کا اس نے ان تجربات کے پیش آنے کے موقع پر مظاہرہ کیا تھا۔ لہٰذا ان واقعات اور آزمائشوں کے پیچھے خدا کا مقصد تلاش کرتے ہوئے ایک بندۂ مومن کا مثبت طرز عمل سامنے آئے گا جس میں اس کی دنیا اور آخرت کی بھلائی مضمر ہوتی ہے۔ جو لوگ خدا کی اس مخفی حکمت سے آگاہی رکھتے ہیں وہ صبر و شکر کا رویہ اختیار کرتے ہیں' انہیں آخرت میں کسی خوف کا سامنا نہیں کرنا پڑے گا۔ خدا نے قرآن میں اس کا ذکر یوں فرمایا ہے:

﴿قُلْنَا اهْبِطُوْا مِنْهَا جَمِيْعًا فَاِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ مِّنِّيْ هُدًى فَمَنْ تَبِعَ هُدَايَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَ لَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۝﴾ (سورۃ البقرہ : ۳۸)

''ہم نے کہا: تم سب یہاں سے اتر جاؤ- پھر میری طرف سے کوئی ہدایت

تمہارے پاس پہنچے تو جو لوگ میری اس ہدایت کی پیروی کریں گے ان کے لئے کوئی خوف اور رنج کا موقع نہ ہوگا''۔

﴿اَلَآ اِنَّ اَوْلِيَآءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۝ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَكَانُوْا يَتَّقُوْنَ ۝ لَهُمُ الْبُشْرٰى فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْاٰخِرَةِ لَا تَبْدِيْلَ لِكَلِمٰتِ اللّٰهِ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۝﴾

(سورة يونس : ٦٢ تا ٦٤)

''سنو! جو اللہ کے دوست ہیں، جو ایمان لائے اور جنہوں نے تقویٰ کا رویہ اختیار کیا، ان کے لئے کسی خوف اور رنج کا موقع نہیں ہے۔ دنیا اور آخرت دونوں زندگیوں میں ان کے لئے بشارت ہی بشارت ہے۔ اللہ کی باتیں بدل نہیں سکتیں۔ یہی بڑی کامیابی ہے''۔

ہر مشکل کے ساتھ ایک یقینی آسانی بھی موجود ہے

خدا نے یہ دنیا انسان کی آزمائش کے لئے بنائی ہے- اس امتحان کی ایک لازمی خصوصیت یہ ہے کہ وہ بندے کو بعض اوقات نعمتیں نچھاور کر کے آزماتا ہے اور بعض اوقات ابتلائیں نازل کر کے اس کا امتحان لیتا ہے- جو لوگ قرآن کی روشنی میں حالات کا جائزہ نہیں لیتے' واقعات کی صحیح تعبیر کرنے میں ناکام رہتے ہیں' بد دلی اور نا امیدی کے گڑھوں میں جا گرتے ہیں- تاہم خدا نے قرآن مجید میں ایک اہم راز کا انکشاف کیا ہے جسے صرف سچے اور اطاعت گزار اہل ایمان ہی سمجھ سکتے ہیں- چنانچہ ارشاد ہوتا ہے:

﴿ فَإِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا ○ إِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا ○ ﴾

(سورۃ الم نشرح : ۵،۶)

"تنگی کے ساتھ فراخی بھی ہے- بے شک تنگی کے ساتھ فراخی بھی ہے"-

جیسا کہ قرآن ان آیات میں ہمیں مطلع فرماتا ہے کہ انسان کو خواہ کتنی ہی مشکلات درپیش ہوں اور حالات کتنے ہی ناسازگار کیوں نہ ہوں' خدا ان میں سے راستہ نکال دے گا اور اہلِ ایمان کو یقیناً آسانیاں مل جائیں گی- ایک مومن خود مشاہدہ کر لے گا کہ اگر اس نے صبر و استقامت سے کام لیا تو ان مشکلات اور آزمائشوں کے ساتھ ساتھ خدا ان کے لئے آسانیاں بھی پیدا فرما دے گا-

دوسری آیات میں باری تعالیٰ نے متقین کو ہدایت اور انعامات کی بشارت سنائی ہے:

﴿وَ مَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا ○ وَّ يَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ وَ مَنْ يَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهٗ﴾

(سورة الطلاق : ۲، ۳)

''جو کوئی اللہ سے ڈرتے ہوئے کام کرے گا اللہ اس کے لئے مشکلات سے نکلنے کا کوئی راستہ پیدا کر دے گا اور اسے ایسے راستے سے رزق دے گا جدھر اس کا گمان بھی نہ جاتا ہو- جو اللہ پر بھروسہ کرے گا اس کے لئے وہ کافی ہے''-

خدا کسی پر اس کی استطاعت سے زیادہ بوجھ نہیں ڈالتا

خدا تعالیٰ رحمان ورحیم اور عادل ہے وہ انسان کے لئے ہر چیز میں آسانیاں پیدا کرتا ہے اور اپنے بندوں کو ان کی قوتِ برداشت کی حد کے اندر آزمائش میں ڈالتا ہے۔ اس نے نماز کی جتنی اقسام مقرر کی ہیں' بندوں کو آزمانے کے لئے اس نے جتنی آزمائشیں پیدا کی ہیں اور انسان پر ذمہ داریوں کا جتنا بوجھ ڈالا ہے وہ اس کی انفرادی قابلیت کے تناسب سے ہے۔ یہ اہل ایمان کے لئے ایک خوشخبری اور اس کے رحم کرم کا بھرپور اظہار ہے۔ قرآن مجید کی یہ آیات مومنوں کے لئے بڑی طمانیت کا پیغام ہیں:

﴿وَلَا تَقْرَبُوْا مَالَ الْيَتِيْمِ اِلَّا بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ حَتّٰى يَبْلُغَ اَشُدَّهٗ وَ اَوْفُوا الْكَيْلَ وَ الْمِيْزَانَ بِالْقِسْطِ لَا نُكَلِّفُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا وَ اِذَا قُلْتُمْ فَاعْدِلُوْا وَ لَوْ كَانَ ذَا قُرْبٰى وَ بِعَهْدِ اللّٰهِ اَوْفُوْا ذٰلِكُمْ وَ صّٰكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ﴾ (سورۃ الانعام : ۱۵۲)

''اور یہ کہ مالِ یتیم کے قریب نہ جاؤ مگر ایسے طریقے سے جو بہترین ہو۔ یہاں تک کہ وہ اپنے سنِ رشد کو پہنچ جائے۔ اور ناپ تول میں پورا انصاف کرو۔ ہم ہر شخص پر ذمہ داری کا اتنا ہی بار رکھتے ہیں جتنا اس کے امکان میں ہے۔ اور جب بات کہو انصاف کی کہو خواہ معاملہ اپنے رشتہ دار ہی کا کیوں نہ ہو۔ اور اللہ کے عہد کو پورا کرو۔ ان باتوں کی ہدایت اللہ نے تمہیں کی ہے۔ شاید کہ تم نصیحت قبول کرو''۔

﴿وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَا نُكَلِّفُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا اُولٰئِكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ﴾

(سورۃ الاعراف : ۴۲)

''اور جن لوگوں نے ہماری آیات کو مان لیا ہے اور اچھے کام کئے ہیں۔ اور اس باب میں ہم ہر ایک کو اس کی استطاعت ہی کے مطابق ذمہ دار ٹھہراتے ہیں.... وہ اہل جنت ہیں جہاں وہ ہمیشہ رہیں گے''۔

﴿وَلَا نُكَلِّفُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا وَلَدَيْنَا كِتٰبٌ يَّنْطِقُ بِالْحَقِّ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ﴾ (سورۃ المومنون : ٦٢)

''ہم کسی شخص کو اس کی مقدرت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتے۔ اور ہمارے پاس ایک کتاب ہے جو (ہر ایک کا حال) ٹھیک ٹھیک بتا دینے والی ہے۔ اور لوگوں پر ظلم بہر حال نہیں کیا جائے گا''۔

دین پر چلنے میں آسانیاں ہیں

بہت سے لوگوں کا خیال ہے کہ دین ان کے لئے زندگیاں مشکل بنا دے گا اور ان پر کڑی پابندیاں اور فرائض عائد کر دیئے جائیں گے۔ یہ محض ایک دھوکہ ہے جو شیطان کے پیدا کردہ وسوسوں کا نتیجہ ہے۔ جیسا کہ ہم پہلے کہہ چکے ہیں کہ مذہب آسان ہے' خدا کا تو یہ فرمان ہے کہ وہ ایمان لانے والوں کے لئے مشکلات کے بعد آسانیاں پیدا کرنا چاہتا ہے۔ علاوہ ازیں مذہب کے بنیادی تقاضوں پر پورا اترنے' مثلاً خدا پر توکل و بھروسہ کرنے اور تقدیر کو سمجھ لینے کے بعد تو تمام بوجھ' تمام مشکلات اور اسباب پریشانی ختم ہو جاتے ہیں۔ خدا کے دین پر ایمان لانے والوں کو نہ تو کوئی پریشانی پیش آتی ہے' نہ رنج و غم اور مایوسی قریب آتی ہے۔ متعدد آیاتِ قرآنی میں اہلِ ایمان کی مدد کرنے اور دونوں جہانوں میں ان کی زندگیاں بنا دینے کے وعدے کئے گئے ہیں۔

ہمارے رب نے' جو کبھی اپنا وعدہ نہیں توڑتا' یوں فرمایا ہے:

﴿وَقِيلَ لِلَّذِينَ اتَّقَوْا مَاذَا أَنزَلَ رَبُّكُمْ قَالُوا خَيْرًا لِّلَّذِينَ أَحْسَنُوا فِي هَٰذِهِ الدُّنْيَا حَسَنَةٌ وَلَدَارُ الْآخِرَةِ خَيْرٌ وَلَنِعْمَ دَارُ الْمُتَّقِينَ﴾

(سورۃ النحل : ٣٠)

''دوسری طرف جب خدا ترس لوگوں سے پوچھا جاتا ہے کہ یہ کیا چیز ہے جو تمہارے رب کی طرف سے نازل ہوئی ہے تو وہ جواب دیتے ہیں کہ ''بہترین چیز اتری ہے'' اس طرح نیکوکار لوگوں کے لئے اس دنیا میں بھی

بھلائی ہے اور آخرت کا گھر تو ضرور ان کے حق میں بہتر ہے- بڑا اچھا گھر ہے متقیوں کا"-

خدا نے اہل ایمان کو نیک اعمال پر کامیابی کی نوید سنائی ہے:

﴿فَاَمَّا مَنْ اَعْطٰى وَاتَّقٰى ○ وَصَدَّقَ بِالْحُسْنٰى فَسَنُيَسِّرُهٗ لِلْيُسْرٰى ○﴾ (سورۃ الیل : ۵ تا ۷)

"تو جس نے (راہ خدا میں) مال دیا اور (خدا کی نافرمانی سے) پرہیز کیا' اور بھلائی کو سچ مانا' اس کو ہم آسان راستے کے لئے سہولت دیں گے"-

جوں جوں اللہ تعالٰی کی حکمتوں کے راز کھلتے جاتے ہیں جس آدمی نے شروع سے ہی دین اسلام کو اپنے لئے چنا ہے اس کے لئے دنیا اور آخرت کی کامیابیوں کی راہیں آسان سے آسان تر ہوتی چلی جاتی ہیں جبکہ اہل کفر کے لئے اس کے بالکل برعکس حالات پیدا ہوتے رہتے ہیں انہیں صرف غموں اور اندیشوں سے پالا پڑتا ہے اور ان کے لئے دنیا و آخرت دونوں میں خسارہ ہی خسارہ ہے- قرآن کریم نے ان کی طرف یوں اشارہ کیا ہے:

﴿وَ اَمَّا مَنْۢ بَخِلَ وَاسْتَغْنٰى ○ وَ كَذَّبَ بِالْحُسْنٰى ○ فَسَنُيَسِّرُهٗ لِلْعُسْرٰى ○﴾ (سورۃ الیل : ۸ تا ۱۰)

"اور جس نے بخل کیا اور (اپنے خدا سے) بے نیازی برتی اور بھلائی کو جھٹلایا' اس کو ہم سخت راستے کے لئے سہولت دیں گے"-

خدا ہر چیز کا مالک اور خالق ہے اور یقیناً ہر کسی سے بلند اور بالاتر ہے- جو شخص خدا کو اپنا دوست بناتا ہے اور خود کو اسی کی مرضی و منشاء کے مطابق ڈھال لیتا ہے' اس پر اس دنیا میں بھی خدا کی نعمتیں نچھاور ہونے لگتی ہیں اور آخرت میں بھی وافر

نوازشات سے بہرہ مند ہوگا - اسے کوئی بھی گزند نہیں پہنچا سکے گا۔ یہ ایک نا قابل تغیر حقیقت ہے' اس لئے ہر صاحب عقل وشعور شخص کو ان قرآنی حقائق اور رازوں کو سمجھنے کی کوشش کرنی چاہیے - اور صحیح راستہ منتخب کرنا چاہیے - یہ بات کہ محرومِ ایمان ان واضح حقائق کو سمجھنے سے قاصر رہتے ہیں' یہ بجائے خود ایک اور راز ہے - یہ لوگ خواہ کتنے ہی باشعور اور اعلیٰ تعلیم یافتہ ہوں چونکہ اپنے ذہن کو استعمال نہیں کرتے اس لئے وہ ان حقائق کو سمجھنے سے قاصر رہتے ہیں -

خدا متشکّکین کو بصیرت سے محروم کر دیتا ہے

یہ بات کہ بعض لوگ قرآن کو نہیں سمجھ سکتے' یہ قرآن کے منکشف کردہ اہم ترین رازوں میں سے ایک راز ہے- یہ ایک نہایت اہم حقیقت ہے کہ قرآن بے حد واضح' آسان سیدھی اور سادہ کتاب ہے- جو کوئی بھی چاہے' اسے پڑھ سکتا ہے اور خدا کے احکامات کو' اس کے پسندیدہ ترین اخلاق جنت اور دوزخ کے حقائق کو اور ان رازوں کو جو اس میں بتائے گئے ہیں' آسانی سے سمجھ سکتا ہے- تاہم ایک اٹل قانون کے طور پر بعض لوگ' اس کو اس کے بے حد سلیس اور سادہ ہونے کے باوجود نہیں سمجھ سکتے - ہو سکتا ہے کہ یہ لوگ ایٹمی انجینئر یا بیالوجی کے پروفیسر ہوں' سائنس کی پیچیدہ ترین شاخوں طبعیات' کیمیا' یا ریاضی کو سمجھ سکتے ہوں' بدھ مت' ہندومت' شنٹومت' مادیت یا کمیونزم کی خوب سمجھ رکھتے ہوں پھر بھی قرآن کو سمجھنے میں ناکام رہتے ہیں- یہ لوگ جو غیر قرآنی نظاموں کی پیچیدہ ترین تراکیب واجزا کو بخوبی سمجھ لیتے ہیں کسی نہ کسی وجہ سے خدا کے واضح' شفاف اور آسان مذہب کی فہم سے محروم رہتے ہیں- حتیٰ کہ اس کے بدیہی ترین موضوعات تک بھی ان کی رسائی نہیں ہو سکتی-

ان روز روشن کی طرح عیاں حقائق تک ان کی عدم رسائی بجائے خود ایک معجزہ ہے- یہ ظاہر کر کے کہ' ان لوگوں کی فہم میں شدید کمی ہے' خدا نے دراصل یہ بات واضح کی ہے کہ بعض لوگ بالکل ہی ایک مختلف فطرت رکھتے ہیں- دوسری طرف یہ

بات اس حقیقت کا ثبوت فراہم کرتی ہے کہ ساری مخلوقات کے دل و دماغ اور فہم' خدا کے قبضہ قدرت میں ہیں- خدا نے اعلان کر رکھا ہے کہ وہ مغروروں اور متکبروں کے دلوں کو ڈھانپ دے گا اور ان کی سوچنے سمجھنے کی صلاحیت کو زائل کر دے گا- یہ حقیقت کہ وہ قرآن کے سوا کسی بھی چیز کو سمجھ سکتے ہیں' اس امر کا ثبوت ہے کہ خدا نے ان کا رخ اپنی نشانیوں' سے پرے پھیر دیا ہے' انہیں ان کی منافقت کی وجہ سے قرآن پر توجہ دینے سے روک دیا ہے- اس سلسلے میں چند آیات ملاحظہ فرمایئے:

﴿وَ اِذَا قَرَاْتَ الْقُرْاٰنَ جَعَلْنَا بَیْنَکَ وَ بَیْنَ الَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ حِجَابًا مَّسْتُوْرًا ۝ وَّ جَعَلْنَا عَلٰی قُلُوْبِهِمْ اَکِنَّةً اَنْ یَّفْقَهُوْهُ وَ فِیْٓ اٰذَانِهِمْ وَقْرًا وَ اِذَا ذَکَرْتَ رَبَّکَ فِی الْقُرْاٰنِ وَحْدَهٗ وَلَّوْا عَلٰٓی اَدْبَارِهِمْ نُفُوْرًا ۝﴾ (سورة بنی اسرائیل : ۴۵'۴۶)

''جب تم قرآن پڑھتے ہو تو ہم تمہارے اور آخرت پر ایمان نہ لانے والوں کے درمیان ایک پردہ حائل کر دیتے ہیں اور ان کے دلوں پر ایک ایسا غلاف چڑھا دیتے ہیں کہ وہ کچھ نہیں سمجھتے اور ان کے کانوں میں گرانی پیدا کر دیتے ہیں اور جب تم قرآن میں اپنے ایک ہی رب کا ذکر کرتے ہو تو وہ نفرت سے منہ پھیر لیتے ہیں''-

---

﴿وَمِنْهُمْ مَّنْ یَّسْتَمِعُ اِلَیْکَ وَ جَعَلْنَا عَلٰی قُلُوْبِهِمْ اَکِنَّةً اَنْ یَّفْقَهُوْهُ وَفِیْٓ اٰذَانِهِمْ وَقْرًا وَاِنْ یَّرَوْا کُلَّ اٰیَةٍ لَّایُؤْمِنُوْا بِهَا حَتّٰٓی اِذَا جَآءُوْکَ یُجَادِلُوْنَکَ یَقُوْلُ الَّذِیْنَ کَفَرُوْٓا اِنْ هٰذَآ اِلَّآ اَسَاطِیْرُ الْاَوَّلِیْنَ ۝﴾

(سورة الانعام : ۲۵)

''ان میں سے بعض لوگ ایسے ہیں جو کان لگا کر تمہاری بات سنتے ہیں مگر حال یہ ہے کہ ہم نے ان کے دلوں پر پردے ڈال رکھے ہیں جن کی وجہ سے وہ اس کو کچھ نہیں سمجھتے اور ان کے کانوں میں گرانی ڈال دی ہے (کہ سب کچھ سننے پر بھی کچھ نہیں سنتے) وہ خواہ کوئی نشانیاں دیکھ لیں اس پر ایمان لا کر نہ دیں گے حد یہ ہے کہ جب وہ تمہارے پاس آ کر تم سے جھگڑتے ہیں تو ان میں سے جن لوگوں نے انکار کرنے کا فیصلہ کر لیا ہے وہ (ساری باتیں سننے کے بعد) یہی کہتے ہیں کہ یہ ایک داستان پارینہ کے سوا کچھ نہیں''۔

﴿وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ ذُكِّرَ بِاٰيٰتِ رَبِّهٖ فَاَعْرَضَ عَنْهَا وَنَسِيَ مَا قَدَّمَتْ يَدٰهُ اِنَّا جَعَلْنَا عَلٰى قُلُوْبِهِمْ اَكِنَّةً اَنْ يَّفْقَهُوْهُ وَفِيْٓ اٰذَانِهِمْ وَقْرًا وَاِنْ تَدْعُهُمْ اِلَى الْهُدٰى فَلَنْ يَّهْتَدُوْٓا اِذًا اَبَدًا﴾

(سورۃ الکھف : ۵۷)

''اور اس شخص سے بڑھ کر ظالم اور کون ہے جسے اس کے رب کی آیات سنا کر نصیحت کی جائے اور وہ ان سے منہ پھیرے اور اس برے انجام کو بھول جائے جس کا سروسامان اس نے اپنے لئے خود اپنے ہاتھوں کیا ہے؟ (جن لوگوں نے یہ روش اختیار کی ہے) ان کے دلوں پر ہم نے غلاف چڑھا دیئے ہیں جو انہیں قرآن کی بات نہیں سمجھنے دیتے اور ان کے کانوں میں ہم نے گرانی پیدا کر دی ہے تم انہیں ہدایت کی طرف کتنا ہی بلاؤ وہ اس حالت میں کبھی ہدایت نہیں پائیں گے''۔

جیسا کہ قرآن کی ان آیات میں واضح کر دیا گیا ہے کفار قرآن کو اس لئے نہیں

سمجھ سکتے کہ خدا نے ان کے لئے سوجھ بوجھ کے دروازے بند کر دیے ہیں اور ان کے کفر ہی کی بنا پر ان کے دلوں پر مہریں لگا دی ہیں۔ یہ بہت بڑا معجزہ ہے جو خدا کی عظمتِ شان کا مظہر ہے وہ لوگوں کے دلوں اور ان کے خیالات کا مالک ہے جسے وہ چاہتا ہے اس کا دل حق و صداقت کے لئے کھول دیتا ہے۔

خدا فہم وبصیرت' صرف اہل تقویٰ کو عطا فرماتا ہے

قرآن میں ایک اور حقیقت یہ بیان کی گئی ہے کہ جو لوگ خدا کا خوف رکھتے ہیں وہ انہیں فہم وبصیرت یعنی حق اور باطل میں تمیز کرنے کی صلاحیت عطا کر دیتا ہے جسے عرفِ عام میں دانائی یا عقل کہا جاتا ہے چنانچہ سورۃ انفال میں کہا گیا ہے:

﴿یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ تَتَّقُوا اللّٰهَ یَجْعَلْ لَّكُمْ فُرْقَانًا وَّ یُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَیِّاٰتِكُمْ وَ یَغْفِرْ لَكُمْ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِیْمِ۝﴾ (سورۃ انفال:۲۹)

"اے لوگو جو ایمان لائے ہو اگر تم خداترسی اختیار کرو گے تو اللہ تمہارے لئے کسوٹی بہم پہنچا دے گا اور تمہاری برائیوں کو تم سے دور کرے گا اور تمہارے قصور معاف کرے گا اللہ بڑا فضل فرمانے والا ہے"۔

جیسا کہ پچھلے باب میں واضح کیا گیا تھا کہ اللہ تعالیٰ کفار کو فہم وبصیرت سے عاری کر دیتا ہے یہ لوگ خواہ ظاہراً کتنے ہی ذہین دکھائی دیں' دین کے بے حد واضح تصورات کو بھی نہیں سمجھ سکتے۔ فہم و دانش اہل ایمان ہی کی خصوصیت ہوتی ہے۔ لوگوں کی اکثریت نے یہ مفروضہ قائم کر رکھا ہے کہ ذہانت اور عقل تقریباً ایک ہی چیز ہے درآنحالیکہ ایسا نہیں ہے- ذہانت ایک دماغی صلاحیت ہے جو ہر کسی کے پاس ہوتی ہے مثال کے طور پر ایک ایٹمی سائنسدان یا ایک ریاضی دان ذہانت کا مظہر ہوتا ہے جب کہ عقل اس خوف کا نتیجہ ہوتی ہے جو بندہ اپنے خدا کی نافرمانی کرتے ہوئے محسوس کرتا ہے اور اپنے ضمیر کو بھی اس کے مطابق ڈھالتا یا استوار کرتا ہے۔ ممکن ہے کہ ایک شخص ذہین تو بہت ہو لیکن اگر وہ خدا کا خوف نہیں رکھتا تو وہ بے عقل و بے

دانش ہی رہے گا۔

اس لئے کہ عقل اللہ تعالیٰ کی ایک نعمت ہے جو وہ اہل ایمان کو عطا فرماتا ہے۔ جو لوگ اس سمجھ سے محروم کر دیئے گئے ہیں وہ اپنے حقیقی مقام کی بھی آگاہی نہیں رکھتے۔ مثال کے طور پر جو لوگ یہ سمجھے بیٹھے ہیں کہ وہ قوت و اقتدار کا منبع ہیں اور دھن دولت ان کی لونڈی ہے ان میں تکبر و رعونت لازماً پیدا ہو جاتی ہے جو کہ محض عقل کی کمی کا مظاہرہ ہے۔ کیونکہ اگر عقل ہو تو یہ بات فوری طور پر سمجھ آ جاتی کہ خدا کے ارادے (WILL) سے بڑھ کر کوئی چیز قوی نہیں۔ اس حقیقت سے آگاہی بالآخر انسان کو عجز و انکسار کا طرز عمل اختیار کرنے کی طرف لے جاتی ہے۔ متکبر اور شیخی باز انسان یہ سوچنا تک گوارا نہیں کرتا کہ اگر اللہ چاہے تو میرا سارا مال و منال چند سیکنڈوں میں تباہ و برباد ہو سکتا ہے' مجھے فوراً موت بھی آ سکتی ہے' میں سب کچھ دنیا میں چھوڑ کر اپنے اعمال کے لئے وہاں جواب دہ ہوں گا اور آگ کے عذاب کا مستحق بھی قرار پا جاؤں گا۔ وہاں اسے ہر چیز حقیقی دکھائی دے گی اور دنیا میں چھوڑی ہوئی چیزیں حقیر لگیں گی۔ ان حقائقِ زندگی کا ادراک صرف اہل ایمان کو ہو سکتا ہے جو خدا سے ڈرتے ہیں دنیا کی چمک اور لذات انہیں کسی دھوکے میں مبتلا نہیں کر سکتیں۔ وہ اپنی زندگیاں اشیاء کی حقیقی ماہیت کو سمجھتے ہوئے گزارتے ہیں۔ خدا انہیں ان کے ایمان کی وجہ سے یہ سمجھ عطا فرماتا ہے۔ انہیں جتنی جتنی خدا کی قربت نصیب ہوتی ہے ان کی سمجھ میں گہرائی پیدا ہوتی چلی جاتی ہے اور وہ خدا کی پیدا کردہ اشیاء میں اس کی نشانیوں کو زیادہ سے زیادہ پہچاننے لگتے ہیں اور اس کے رازوں سے بہتر آگاہی حاصل کرتے ہیں۔

نیکیوں کا یقینی اجر

اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب' قرآن مجید میں ایک اور حقیقت یہ بتائی ہے کہ نیکی کرنے والوں کو اس جہان میں بھی اجر ملے گا اور آخرت میں بھی انہیں اس کا بہترین صلہ ملے گا- چنانچہ فرمایا گیا ہے:

﴿قُلْ يٰعِبَادِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوْا رَبَّكُمْ. لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوْا فِيْ هٰذِهِ الدُّنْيَا حَسَنَةٌ وَ اَرْضُ اللّٰهِ وَاسِعَةٌ اِنَّمَا يُوَفَّى الصّٰبِرُوْنَ اَجْرَهُمْ بِغَيْرِ حِسَابٍ ۝﴾ (سورۃ الزمر: ۱۰)

"(اے نبیؐ) کہو کہ اے میرے بندو جو ایمان لائے ہو اپنے رب سے ڈرو- جن لوگوں نے اس دنیا میں نیک رویہ اختیار کیا ہے ان کے لئے بھلائی ہے اور خدا کی زمین وسیع ہے' صبر کرنے والوں کو تو ان کا اجر بے حساب دیا جائے گا"-

تاہم ہر کسی کو یہ ضرور معلوم ہونا چاہئے کہ درحقیقت "نیکی" کیا ہے؟ ہر معاشرے میں نیکی کا ایک الگ مفہوم ہے- مثلاً خوش خلقی سے پیش آنا' غریبوں کو رقوم دینا ہر قسم کے سلوک کے جواب میں صبر و برداشت کا رویہ اختیار کرنا' تقریباً ہر معاشرے میں یہ پسندیدہ عادات سمجھی جاتی ہیں- مگر خدا ہمیں بتاتا ہے کہ اصل "نیکی" وہ ہے جس کی قرآن میں وضاحت کر دی گئی ہے' یعنی:

﴿لَيْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَ لٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالْكِتٰبِ وَالنَّبِيّٖنَ وَ اٰتَى

الْمَالَ عَلٰی حُبِّهٖ ذَوِی الْقُرْبٰی وَالْیَتٰمٰی وَالْمَسٰکِیْنَ وَ ابْنَ السَّبِیْلِ وَ السَّآئِلِیْنَ وَ فِی الرِّقَابِ وَ اَقَامَ الصَّلٰوۃَ وَ اٰتَی الزَّکٰوۃَ وَالْمُوْفُوْنَ بِعَهْدِهِمْ اِذَا عٰهَدُوْا وَ الصّٰبِرِیْنَ فِی الْبَاْسَآءِ وَ الضَّرَّآءِ وَ حِیْنَ الْبَاْسِ اُولٰٓئِکَ الَّذِیْنَ صَدَقُوْا وَ اُولٰٓئِکَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ ○ ﴾

(سورۃ البقرہ:۱۷۷)

"نیکی یہ نہیں ہے کہ تم نے اپنے چہرے مشرق کی طرف کر لئے یا مغرب کی طرف بلکہ نیکی یہ ہے کہ آدمی اللہ اور یوم آخرت اور ملائکہ اور (اللہ کی نازل کی ہوئی) کتاب اور اس کے پیغمبروں کو دل سے مانے اور اللہ کی محبت میں اپنا دل پسند مال رشتے داروں اور یتیموں اور مسکینوں اور مسافروں اور مدد کے لئے ہاتھ پھیلانے والوں اور غلاموں کی رہائی پر خرچ کرے' نماز قائم کرے اور زکوٰۃ دے۔ اور نیک وہ لوگ ہیں کہ جب عہد کریں تو اسے وفا کریں اور تنگ دستی و مصیبت کے وقت میں اور حق و باطل کی جنگ میں صبر کریں' یہ ہیں راست باز لوگ اور یہی لوگ متقی ہیں"۔

جیسا کہ یہ آیت ہمیں بتاتی ہے کہ اصل نیکی' دل میں خوفِ خدا ہونے' آخرت میں جوابدہی کو یاد رکھنے' ایمان کے تقاضوں کو سمجھنے اور ہمیشہ خدا کی خوشنودی والے کاموں میں مصروف رہنے کا نام ہے۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اہل ایمان کو تقویٰ اختیار کرنے اور نیک کاموں میں حصہ لینے کی تاکید فرمائی تھی:

"تم جہاں بھی رہو تقویٰ اختیار کرو' گناہ سرزد ہو جائے تو اس کے بعد فوراً کوئی نیکی کا کام کرو تا کہ اس کا کفارہ ہو جائے اور لوگوں کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آؤ"۔ (ترمذی باب البر: ۵۵'۱۹۸۸)

قرآن مجید میں ارشاد ہوا ہے کہ خدا ان لوگوں سے محبت کرتا ہے جو ہمیشہ

اپنے ایمان، خدا کے خوف اور اس کے ساتھ محبت کے تحت بھلائی کے کام کرتے ہیں۔
اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ ایسے لوگوں کو ان کاموں پر پورا اجر عطا کیا جائے گا:

﴿فَاٰتٰهُمُ اللّٰهُ ثَوَابَ الدُّنْيَا وَ حُسْنَ ثَوَابِ الْاٰخِرَةِ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ○﴾ (سورۃ آل عمران: ۱۴۸)

''آخر کار اللہ نے ان کو دنیا کا ثواب بھی دیا اور اس سے بہتر ثوابِ آخرت بھی عطا کیا۔ اللہ کو ایسے ہی نیک عمل لوگ پسند ہیں''۔

﴿لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوْا فِيْ هٰذِهِ الدُّنْيَا حَسَنَةٌ وَلَدَارُ الْاٰخِرَةِ خَيْرٌ وَ لَنِعْمَ دَارُ الْمُتَّقِيْنَ ○﴾ (سورۃ النحل: ۳۰)

''نیکوکار لوگوں کے لئے اس دنیا میں بھی بھلائی ہے اور آخرت کا گھر تو ضرور ہی ان کے حق میں بہتر ہے، بڑا ہی اچھا گھر ہے متقیوں کا''۔

قرآن نے یہ خوشخبری ان لوگوں کو سنائی ہے جو نیکیوں کے کام بڑھ چڑھ کر کرتے ہیں، جو خواہشاتِ نفسانی کی قربانیاں دیتے ہیں اور خدا کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے کوشاں رہتے ہیں۔

خدا محسنین کو اس دنیا میں بھی اچھی زندگی کی بشارت دیتا ہے اور اگلے جہان میں بھی ان کے ساتھ انعام و اکرام کا وعدہ کرتا ہے۔ ان کی مادی نعمتوں کے ساتھ ساتھ روحانی مسرتوں میں بھی اضافے فرماتا ہے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کو ایسی وسیع سلطنت دی گئی تھی کہ اس جیسی سلطنت اور کسی کو عطا نہیں کی گئی تھی جبکہ حضرت یوسف علیہ السلام کو مصر کے خزانوں کا منصرم بنا دیا گیا تھا۔ یہ مثالیں قرآن مجید میں دی گئی ہیں۔ پھر خدا نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو دی گئی نعمت کا ذکر سورۃ الضحیٰ کی آیت نمبر ۸ میں فرمایا ہے۔

﴿وَوَجَدَكَ عَآئِلًا فَاَغْنٰى﴾

''اور تمہیں نادار پایا اور پھر مالدار بنا دیا''۔

یہاں یہ بات یاد رکھی جانی چاہیے کہ خوبصورت اور پرشکوہ زندگی' اہل ایمان کی سابق نسلوں تک ہی محدود نہیں کر دی گئی تھی خدا نے ہر دور کے مومنین کے ساتھ وعدہ کر رکھا ہے کہ وہ اپنے بندوں کو زندگی کی تمام نعمتیں عطا فرمائے گا۔

﴿ مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيٰوةً طَيِّبَةً وَّلَنَجْزِيَنَّهُمْ اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝ ﴾

(سورۃ النحل : ۹۷)

''جو شخص بھی نیک عمل کرے گا خواہ وہ مرد ہو یا عورت' بشرطیکہ ہو وہ مومن' اسے ہم دنیا میں پاکیزہ زندگی بسر کرائیں گے اور (آخرت میں) ایسے لوگوں کے اجر ان کے بہترین اعمال کے مطابق بخشیں گے''۔

اہل ایمان دنیاوی مال و متاع کے تعاقب میں نہیں لگ جاتے یعنی وہ دولت' مرتبہ و عہدے اور اقتدار کی حرص میں مبتلا نہیں ہوتے اور نہ ہی ان فوائد کو اپنا نصب العین بنا کر نیکیاں کرتے ہیں۔ اس سلسلے میں تو خدا نے اپنی کتابِ مبین میں یہ کہا ہے۔ ''ان لوگوں نے اپنی زندگیوں اور اسبابِ دنیا کا' جنت کے عوض خدا کے ساتھ سودا کر لیا ہے''۔ تجارتی مصروفیات انہیں یادِ خدا' ادائیگیٔ نماز اور خدمتِ دین سے غافل نہیں کرتیں۔ یہ بھی فرمایا گیا ہے کہ انہیں بھوک یا نقصِ اموال کی آزمائش میں ڈالا جائے تو تب بھی حرفِ شکایت زبان پر لائے بغیر اطاعت اور استقامت کا مظاہرہ کرتے ہیں۔ آنحضرتؐ کے دور میں واقعہ ہجرت اس کی سب سے بڑی مثال ہے۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اپنا شہر' اپنا گھر بار' املاک' کھیتی باڑی' کاروبار اور باغات پیچھے چھوڑ کر چلے گئے' تھوڑا بہت جو بھی میسر آیا وہ صبر و شکر کے ساتھ قبول کر لیا' اس کے بدلے انہیں اگر کسی چیز کی طلب تھی تو وہ خدا تعالیٰ کی خوشنودی اور اگلے

جہان میں ملنے والا ثواب واجر تھا' ان کی ان عظیم قربانیوں کو قبول کر کے خدا نے انہیں دنیا میں بھی سرخرو کیا اور گراں قدر نعمتوں سے نوازا۔ ان انعامات اور نوازشوں نے دنیا کے ساتھ ان کی وابستگی میں کوئی اضافہ نہیں کیا بلکہ ان کے دلوں کو شکر اور ممنونیت کے جذبات سے معمور کر دیا اس سے خدا کے ساتھ ان کا تعلق مزید بڑھ گیا۔ ان کی پوری پوری زندگیاں احکاماتِ ربانی کی پیروی میں گزریں تاہم خدا کی طرف سے اہل ایمان کے لئے اچھی دنیاوی زندگی کا جو وعدہ ہے' وہ بھی ہر دور میں پورا ہوتا رہا ہے۔

اجر میں کئی گنا اضافے کا وعدہ

خدا نے مومنوں کے نیک کاموں کے اجر میں کئی گنا اضافے کا وعدہ کیا ہے' اس سلسلے میں دو قرآنی آیات اتاری گئی ہیں:

﴿مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ عَشْرُ اَمْثَالِهَا وَ مَنْ جَآءَ بِالسَّيِّئَةِ فَلَا يُجْزٰٓى اِلَّا مِثْلَهَا وَ هُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ﴾ (سورۃ الانعام : ۱۶۰)

''جو اللہ کے حضور نیکی لے کر آئے گا اس کے لئے دس گنا اجر ہے' اور جو بدی لے کر آئے گا اس کو اتنا ہی بدلہ دیا جائے گا جتنا اس نے قصور کیا ہے اور کسی پر ظلم نہ کیا جائے گا''۔

﴿اِنَّ اللّٰهَ لَا يَظْلِمُ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ وَ اِنْ تَكُ حَسَنَةً يُّضٰعِفْهَا وَ يُؤْتِ مِنْ لَّدُنْهُ اَجْرًا عَظِيْمًا ۝﴾ (سورۃ النساء : ۴۰)

''اللہ کسی پر ذرہ برابر بھی ظلم نہیں کرتا' اگر کوئی ایک نیکی کرے تو اللہ اس کو دو چند کرتا ہے اور پھر اپنی طرف سے بڑا اجر عطا فرماتا ہے''۔

یہ بہت اہم بات ہے کہ خدا ہر نیک عمل کو کئی گنا بڑا کر دیتا ہے یہ اس جہان اور اگلے جہان میں فرق کی وجہ سے ہے۔ اس دنیا میں زندگی بہت مختصر ہے جو اوسطاً ۶۰ سال ہوتی ہے۔ تاہم جو لوگ تقویٰ کی زندگی گزارتے ہیں اور نیک اعمال میں مصروف رہتے ہیں' انہیں اس مختصر زندگی میں کیے ہوئے اعمال کے عوض کئی گنا زیادہ ثواب ملے گا۔ خدا نے اس وعدے کا ذکر سورہ یونس کی آیت نمبر ۲۶ میں کیا ہے۔

﴿لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوا الْحُسْنٰى وَ زِيَادَةٌ وَلَا يَرْهَقُ وُجُوْهَهُمْ قَتَرٌ وَّ لَا ذِلَّةٌ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۝﴾

''جن لوگوں نے بھلائیوں کا طریقہ اختیار کیا ان کے لئے بھلائی ہے اور مزید فضل- ان کے چہروں پر رُوسیاہی اور ذلت نہ چھائے گی- وہ جنت کے مستحق ہیں جہاں وہ ہمیشہ رہیں گے''-

اس اجر کے کئی گنا بڑھا دیئے جانے کو صحیح طور پر سمجھنے کے لئے ''لامحدودیت'' (INFINITY) کے تصور کو سمجھنے کی کوشش کرنی چاہیے- فرض کیجئے کہ اس دنیا میں آج تک جتنے لوگ زندہ رہے ہیں اور جتنے لوگ آئندہ یہاں جنیں گے' وہ سب اپنی اپنی زندگیوں کے ہر سیکنڈ کو شمار کریں تو حاصلِ جمع اتنا زیادہ ہو جائے گا کہ زبان سے اس کا اظہار ناممکن ہو گا تاہم وہ ''انفنٹی'' سے اگلا ہی ہو گا- اس غیر معمولی طور پر بڑے عدد کا مطلب ''لاشئے'' ہوگا- کیونکہ لا ''محدود'' کے معنی ''لامتناہی'' یا ''مسلسل'' کے ہیں یعنی جس کی بہ لحاظِ وقت کوئی حد نہ ہو- جو لوگ اس دنیا میں ہر لحہ خدا کی بندگی میں صرف کرتے ہیں اگلے جہان میں ان کا گھر جنت میں ہو گا' وہاں وہ لامحدود عرصہ تک رہیں گے' ان کی روحیں جو کچھ بھی مانگیں گی انہیں ملے گا' اور اس کی بھی کوئی حد نہیں ہوگی- خدا کی بے پایاں رحمت اور اس کی بے حدوحساب نعمتیں ہوں گی جو اہلِ ایمان کو اتنی مدت یا عرصہ ملتی رہیں گی جس مدت یا عرصے کو ناپنے کا کوئی بھی آلہ اس مادی دنیا میں ایجاد نہیں ہوا-

☆
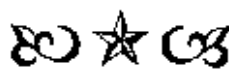
اہلِ ایمان کے چہرے منور و تاباں ہوں گے لیکن کفار کے چہروں پر پھٹکار پڑ رہی ہوگی

خدا نے قرآن میں ایمان اور کفر کی جو علامات بتائی ہیں ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ عقیدے کے اثرات چہروں اور جلد سے بھی منعکس ہوتے ہیں۔ اس کا ذکر کئی آیات میں آیا ہے جن کے مطابق اہل ایمان کے چہرے پُرنور رہوں گے اور کفار کے چہروں پر مایوسی اور پھٹکار جھلک رہی ہوگی۔

﴿وَ تَرٰهُمْ يُعْرَضُوْنَ عَلَيْهَا خٰشِعِيْنَ مِنَ الذُّلِّ يَنْظُرُوْنَ مِنْ طَرْفٍ خَفِيٍّ ۝﴾ (سورة الشورى : ۴۵)

”تم دیکھو گے کہ یہ جہنم کے سامنے جب لائے جائیں گے تو ذلت کے مارے جھکے جا رہے ہوں گے اور اس کو نظر بچا بچا کر کن انکھوں سے دیکھیں گے“۔

﴿لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوا الْحُسْنٰى وَ زِيَادَةٌ وَ لَا يَرْهَقُ وُجُوْهَهُمْ قَتَرٌ وَّ لَا ذِلَّةٌ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۝ وَ الَّذِيْنَ كَسَبُوا السَّيِّاٰتِ جَزَآءُ سَيِّئَةٍ بِمِثْلِهَا وَ تَرْهَقُهُمْ ذِلَّةٌ مَا لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ عَاصِمٍ كَاَنَّمَآ اُغْشِيَتْ وُجُوْهُهُمْ قِطَعًا مِّنَ الَّيْلِ مُظْلِمًا اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۝﴾ (سورة يونس : ۲۶-۲۷)

”جن لوگوں نے بھلائی کا طریقہ اختیار کیا ان کے لئے بھلائی ہے اور

مزید فضل۔ ان کے چہروں پر رُوسیاہی اور ذلت نہ چھائے گی۔ وہ جنت کے مستحق ہیں جہاں وہ ہمیشہ رہیں گے۔ اور جن لوگوں نے برائیاں کمائیں ان کی برائی جیسی ہے ویسا ہی وہ بدلہ پائیں گے۔ ذلت ان پر مسلط ہوگی۔ اللہ سے ان کو بچانے والا کوئی نہ ہوگا۔ ان کے چہروں پر ایسی تاریکی چھائی ہوئی ہوگی جیسے رات کے سیاہ پردے ان پر پڑے ہوئے ہوں' وہ دوزخ کے مستحق ہیں جہاں وہ ہمیشہ رہیں گے''۔

جیسا کہ مندرجہ بالا آیات میں فرمایا گیا ہے کہ کفار کے چہروں پر ذلت کی تاریکی چھائی ہوئی ہوگی۔ دوسری جانب اہل ایمان کے چہرے نور سے دمک رہے ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ وہ چہروں پر سجدوں کے نشانات کی وجہ سے پہچانے جائیں گے۔

﴿مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗٓ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ تَرٰىهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَ رِضْوَانًا سِيْمَاهُمْ فِيْ وُجُوْهِهِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ﴾ (سورۃ الفتح : ۲۹)

''محمد اللہ کے رسول ہیں اور جو لوگ ان کے ساتھ ہیں وہ کفار پر سخت اور آپس میں رحیم ہیں۔ تم جب دیکھو گے انہیں رکوع و سجود اور اللہ کے فضل اور اس کی خوشنودی کی طلب میں مشغول پاؤ گے۔ سجود کے اثرات ان کے چہروں پر موجود ہیں جن سے الگ پہچانے جاتے ہیں''۔

دیگر آیات میں خدا تعالیٰ کا ارشاد ہوتا ہے کہ کفار اور فساق چہروں سے ہی پہچان لئے جائیں گے:

﴿يُعْرَفُ الْمُجْرِمُوْنَ بِسِيْمٰهُمْ فَيُؤْخَذُ بِالنَّوَاصِيْ وَالْاَقْدَامِ ۝﴾

(سورۃ الرحمٰن :۴۱)

''مجرم وہاں اپنے چہروں سے پہچان لئے جائیں گے اور انہیں پیشانی کے بال اور پاؤں سے پکڑ کر گھسیٹا جائے گا''۔

﴿وَلَوْ نَشَآءُ لَاَرَيْنٰكَهُمْ فَلَعَرَفْتَهُمْ بِسِيْمٰهُمْ وَ لَتَعْرِفَنَّهُمْ فِىْ لَحْنِ الْقَوْلِ. وَاللّٰهُ يَعْلَمُ اَعْمَالَكُمْ ۝﴾ (سورة محمد : ۳۰)

''اور اگر ہم چاہیں تو انہیں تم کو آنکھوں سے دکھا دیں اور ان کے چہروں سے تم ان کو پہچان لو۔ مگر ان کے اندازِ کلام سے تو تم ان کو پہچان ہی لو گے۔ اللہ تم سب کے اعمال سے خوب واقف ہے''۔

یہ ایک معجزہ ہے اور ایک اہم حقیقت ہے جس کا قرآن میں انکشاف کیا گیا ہے کہ عقیدے یا بداعمالیوں کے اثرات چہروں پر رونما ہو جاتے ہیں۔ روحانی اثرات جسم پر بھی پڑتے ہیں جبکہ عام خدوخال جوں کے توں رہتے ہیں۔ چہروں پر نیک اعمال سے نوری اثرات پڑتے ہیں اور بداعمالیوں سے تاریکی کی جھلک پڑتی ہے۔ اہلِ ایمان اللہ تعالیٰ کے ان معجزات کو لوگوں کے چہرے دیکھنے سے محسوس کر سکتے ہیں۔

نیکیاں گناہوں کو زائل کر دیتی ہیں

اہلِ ایمان ہمیشہ اللہ تعالیٰ کی خوشنودی اور اس کے رحم و کرم کے طلب گار رہتے ہیں اور اس سے جنت مانگتے ہیں۔ تاہم انسان چونکہ کمزور پیدا کیا گیا ہے' اس سے لغزشیں اور بھول چوک ہوتی رہتی ہے۔ خدائے رحمان و رحیم جو اپنے بندوں کو بہت اچھی طرح جانتا ہے' ان کی مغفرت کرنا چاہتا ہے۔ جس کی وجہ سے وہ ان کے گناہوں کو مٹا دینا چاہتا ہے اور آخرت میں ان کے حساب و کتاب میں بھی آسانیاں پیدا کرنے کا ارادہ رکھتا ہے۔ چنانچہ وہ فرماتا ہے:

﴿فَاَمَّا مَنْ اُوْتِيَ كِتٰبَهٗ بِيَمِيْنِهٖ ○ فَسَوْفَ يُحَاسَبُ حِسَابًا يَّسِيْرًا ○ وَ يَنْقَلِبُ اِلٰۤى اَهْلِهٖ مَسْرُوْرًا ○﴾ (سورۃ انشقاق : ۷'۸'۹)

''پھر جس کا اعمال نامہ اس کے سیدھے ہاتھ میں دیا گیا اس سے ہلکا حساب لیا جائے گا اور وہ اپنے لوگوں کی طرف خوش خوش جائے گا''۔

اس میں کوئی شبہ نہیں کیا جا سکتا کہ خدا ہر کسی کے برے اعمال کو نیکیوں میں تبدیل نہیں کرتا۔ جن اہل ایمان کے گناہوں کو مٹایا جاتا ہے اور معاف کر دیا جاتا ہے ان کی خصوصیات قرآن میں بتا دی گئی ہیں۔

وہ لوگ جو کبیرہ گناہوں سے بچتے ہیں

سورۃ النساء کی آیت نمبر ۳۱ میں خدا فرماتا ہے:

﴿اِنْ تَجْتَنِبُوْا كَبَآئِرَ مَا تُنْهَوْنَ عَنْهُ نُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ وَ نُدْخِلْكُمْ مُّدْخَلًا كَرِيْمًا﴾

''اگر تم ان بڑے بڑے گناہوں سے پرہیز کرتے رہو جن سے تمہیں منع کیا جا رہا ہے تو تمہاری چھوٹی موٹی برائیوں کو ہم تمہارے حساب سے ساقط کر دیں گے اور تم کو عزت کی جگہ داخل کریں گے''۔

اہل ایمان جو اس حقیقت سے آگاہ ہیں خدا کی مقرر کردہ حدود کا بڑی باریک بینی سے خیال رکھتے ہیں اور ممنوعات سے بچنے کا اہتمام کرتے ہیں۔ اگر بھول چوک اور بتقاضۂ بشریت ان سے گناہ سرزد ہو جاتا ہے تو وہ فوراً خدا کی طرف رجوع کر کے معافی کے لئے دعا کرتے ہیں۔

خدا نے قرآن میں ہمیں اپنے ان بندوں کے بارے میں بھی بتا دیا ہے جن کی توبہ قبول کر لی جائے گی لیکن جو شخص خدا کے احکامات کو واضح طور پر جانتا ہوا اور دیدہ دلیری سے گناہوں کا ارتکاب کرتا چلا جائے پھر یہ سمجھے کہ ''کوئی بات نہیں، مجھے معاف کر ہی دیا جائے گا'' یہ نہایت ناقص عقل کا مظاہرہ ہے۔ جبکہ حقیقت یہ ہے کہ خدا اپنے بندوں کے ان گناہوں کو بخشتا ہے جو بوجہ لاعلمی کر دیے گئے ہوں، اور ان کے ارتکاب کے بعد وہ فوراً توبہ کریں، ان کا اعادہ نہ کریں اور کفارہ ادا کرنے کا اہتمام کریں: چنانچہ ارشاد ہوتا ہے:

﴿اِنَّمَا التَّوْبَةُ عَلَى اللّٰهِ لِلَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ السُّوْٓءَ بِجَهَالَةٍ ثُمَّ يَتُوْبُوْنَ مِنْ قَرِيْبٍ فَاُولٰٓئِكَ يَتُوْبُ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ وَ كَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ٥ وَ لَيْسَتِ التَّوْبَةُ لِلَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ السَّيِّاٰتِ حَتّٰٓى اِذَا حَضَرَ اَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ اِنِّىْ تُبْتُ الْئٰنَ وَ لَا الَّذِيْنَ يَمُوْتُوْنَ وَ هُمْ كُفَّارٌ اُولٰٓئِكَ اَعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ٥﴾ (سورة النساء : ١٧ ،١٨)

”ہاں یہ جان لو کہ اللہ پر توبہ کی قبولیت کا حق انہی لوگوں کے لئے ہے جو نادانی کی وجہ سے کوئی برا فعل کر گزرتے ہیں اور اس کے بعد جلدی توبہ کر لیتے ہیں- ایسے لوگوں پر اللہ اپنی نظر عنایت سے پھر متوجہ ہو جاتا ہے اور اللہ ساری باتوں کی خبر رکھنے والا اور حکیم و دانا ہے- مگر توبہ ان لوگوں کے لئے نہیں ہے جو برے کام کئے چلے جاتے ہیں یہاں تک کہ ان میں سے کسی کی موت کا وقت آ جاتا ہے' اس وقت وہ کہتا ہے کہ اب میں نے توبہ کی- اور اسی طرح توبہ ان لوگوں کے لئے بھی نہیں ہے جو مرتے دم تک کافر رہیں- ایسے لوگوں کے لئے تو ہم نے دردناک سزا تیار کر رکھی ہے-“

جیسا کہ ان آیات سے ظاہر ہوتا ہے- اگر کوئی شخص چاہتا ہے کہ اس کے سارے گناہ مٹا دیے جائیں اور یوم حساب کو اسے شرمندگی سے دوچار نہ ہونا پڑے' تو اس کا طریقہ یہ ہے کہ وہ گناہوں کی سچے دل سے توبہ کرے اور اب تک اس سے جو کچھ ہو چکا ہے اس کے لئے خدا سے فوراً معافی مانگے-

وہ لوگ جو نیک راہ اختیار کر لیتے ہیں

دیگر آیات میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ جو لوگ عملِ صالح کرتے ہیں، میں ان سے سرزد ہونے والے گناہوں کو جھاڑ دوں گا۔

ذیل کی آیات پر غور فرمایئے:

﴿یَوۡمَ یَجۡمَعُکُمۡ لِیَوۡمِ الۡجَمۡعِ ذٰلِکَ یَوۡمُ التَّغَابُنِ. وَ مَنۡ یُّؤۡمِنۡۢ بِاللّٰہِ وَ یَعۡمَلۡ صَالِحًا یُّکَفِّرۡ عَنۡہُ سَیِّاٰتِہٖ وَ یُدۡخِلۡہُ جَنّٰتٍ تَجۡرِیۡ مِنۡ تَحۡتِہَا الۡاَنۡہٰرُ خٰلِدِیۡنَ فِیۡہَاۤ اَبَدًا ذٰلِکَ الۡفَوۡزُ الۡعَظِیۡمُ ۝﴾

(سورۃ التغابن: ۹)

''جب اجتماع کے دن وہ تم سب کو اکٹھا کرے گا وہ دن ہوگا ایک دوسرے کے مقابلے میں لوگوں کی ہار جیت کا۔ جو اللہ پر ایمان لایا ہے اور نیک عمل کرتا ہے اللہ اس کے گناہ جھاڑ دے گا اور اسے ایسی جنتوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی۔ یہ لوگ ہمیشہ ان میں رہیں گے، یہ بڑی کامیابی ہے''۔

﴿اِلَّا مَنۡ تَابَ وَ اٰمَنَ وَ عَمِلَ عَمَلًا صَالِحًا فَاُولٰٓئِکَ یُبَدِّلُ اللّٰہُ سَیِّاٰتِہِمۡ حَسَنٰتٍ وَ کَانَ اللّٰہُ غَفُوۡرًا رَّحِیۡمًا ۝﴾ (سورۃ الفرقان: ۷۰)

''الا یہ کہ کوئی (ان گناہوں کے بعد) توبہ کر چکا ہو اور ایمان لا کر عمل صالح کرنے لگا ہو۔ ایسے لوگوں کی برائیوں کو اللہ بھلائیوں سے بدل

دے گا اور وہ بڑا غفور الرحیم ہے''۔

خدا کی خوشنودی کے لئے کیا جانے والا کام اور اختیار کیا جانے والا ہر رویہ عملِ صالح کہلاتا ہے۔ مثال کے طور پر کسی کا یہ رویہ ہو کہ وہ خدا کا پیغام دوسروں تک پہنچانا اپنے لئے ایک عادت بنا لے' تقدیر پر ایمان نہ رکھنے والے کو اللہ پر بھروسہ کرنے کی تلقین کرتا ہو' افواہیں گھڑنے والوں کو افواہ سازی سے روکتا ہو' اپنے مکان کو صاف اور اپنے جسم کو پاک رکھتا ہو' اپنی معلومات کو وسیع تر کرنے کے لئے لکھتا پڑھتا رہتا ہو' خوشگوار اندازِ گفتگو اختیار کرتا ہو' لوگوں کو آخرت کی یاد دلاتا رہتا ہو' بیماروں کی عیادت کرتا ہو' بوڑھے اور ضعیف لوگوں کی دلجوئی میں لگا رہتا ہو' جائز ذرائع سے دولت کماتا ہو تاکہ مستحقین کی مدد کر سکے' برائی کا دفاع نیکی اور صبر سے کرتا ہو' اگر یہ کام صرف اس لئے کئے جائیں کہ ان سے خدا خوش ہوتا ہے تو یہ اعمالِ صالحہ کہلاتے ہیں۔ جو لوگ یہ چاہتے ہوں کہ ان کے گناہ معاف کر کے آخرت کے لئے ان کی جگہ نیکیاں لکھ دی جائیں تو پھر انہیں خدا کی خوشنودی والے کام ہی کرنے چاہیے۔ اس کے لئے ضروری ہے کہ بندہ یوم حساب کو ہمیشہ یاد کرتا رہے۔

مثال کے طور پر اگر ایک شخص تصور میں دوزخ کی آگ کو دیکھ رہا ہو' پھر یہ بھی دیکھے کہ دنیا میں بداعمالیاں کرنے والے کس طرح دوزخ میں جلتے ہوئے چیخ و پکار کر رہے ہیں' تو اس کا رویہ یقیناً بدل جائے گا اور وہ گناہوں والے راستے کو ترک کر کے خدا کی خوشنودی والے طریقے اپنا لے گا وقت پر نمازیں ادا کرے گا' نیک اعمال کرے گا' ادائیگیٔ فرائض کے سلسلے میں لاپرواہی کا ارتکاب نہیں کرے گا۔ دوزخ کا خیال جو اس کے دل و دماغ میں ہمیشہ جاگزیں رہے گا اسے دائمی زندگی اور عذابِ خداوندی کی یاد دلاتا رہے گا۔ ایسا شخص اعمالِ صالحہ میں کوتاہی یا تاخیر کا کبھی روادار نہ ہوگا۔ اس کی نمازوں میں خشوع و خضوع پیدا ہو جائے گا۔ چنانچہ اس

دنیا میں ان لوگوں کے برے اعمال، جنہوں نے خوفِ خدا اور یوم آخرت کی جوابدہی کے احساس کے تحت نیک راہ اختیار کر لی ہے، نیکیوں میں بدل دیے جائیں گے۔ آخرت پر یقین اور عذاب جہنم سے خوف رکھنے والے لوگ دنیا میں قدم قدم پر خدا کی خوشنودی کو پیش نظر رکھتے ہیں، جس سے ان کی زندگی اہلِ کفر سے بالکل مختلف ہو جاتی ہے۔

انفاق فی سبیل اللہ کے مقاصد

نیک کاموں پر خرچ کرنا اہم ترین عبادات میں سے ہے' اسے اصطلاحاً ''انفاق فی سبیل اللہ'' کہا جاتا ہے۔ جب کوئی شخص اپنی حلال کمائی کو اللہ کی خوشنودی کے لئے خرچ کرتا ہے' اس سے اس کا مال بھی پاکیزہ تر ہو جاتا ہے اور اس کی روح کو بھی تازگی حاصل ہو جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو ہدایت کی ہے کہ وہ اہلِ ایمان کے مال سے صدقہ وصول کر کے ان کے اموال کو پاک کریں۔ یہ ہدایت اس آیت میں دی گئی ہے۔

﴿خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَ تُزَكِّيْهِمْ بِهَا وَصَلِّ عَلَيْهِمْ ۝﴾

(سورۃ توبہ: ۱۰۳)

''اے نبی تم ان کے اموال میں سے صدقہ لے کر انہیں پاک کرو اور (نیکی کی راہ میں) انہیں بڑھاؤ اور ان کے حق میں دعائے رحمت کرو''۔

تاہم خرچ کرنے کا عمل جو لوگوں کو پاک اور صاف کرتا ہے وہ عمل ہے' جو قرآن میں بتائے گئے طریقے کے مطابق کیا گیا ہو۔ زیادہ تر لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ جب وہ کسی بھکاری کی ہتھیلی پر چند سکے رکھ دیتے ہیں یا کسی غریب کو اپنے پرانے کپڑے دے دیتے ہیں یا کسی بھوکے کو کھانا کھلا دیتے ہیں تو بس ان کا فرض پورا ہو جاتا ہے متذکرہ کام اگر صرف خدا کی خوشنودی کی نیت سے کیے گئے ہوں تو بلاشبہ خدا ان پر

اجر عطا کرتا ہے لیکن قرآن مجید میں اس ضمن میں جو کچھ کہا گیا ہے اس کا مطلب ومفہوم وہیں متعین کر دیا گیا ہے مثال کے طور پر خدا انسان کو حکم دیتا ہے کہ تمہاری ضرورتوں سے جتنا بھی بڑھ جائے وہ خرچ کر ڈالو :-

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَيَسْئَلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ قُلِ الْعَفْوَ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ تَتَفَكَّرُوْنَ ٥﴾ (سورة البقرة: ٢١٩)

''اور پوچھتے ہیں : ہم راہِ خدا میں کیا خرچ کریں کہو: جو کچھ تمہاری ضرورت سے زیادہ ہو- اس طرح اللہ تمہارے لئے صاف صاف احکام بیان کرتا ہے شاید کہ تم اچھی طرح غور وفکر کر سکو''-

انسان کو دنیا میں رہنے کے لئے جو کچھ درکار ہے' وہ درحقیقت بہت کم ہے- وہ مال ودولت جو اس کی ضرورتوں سے بڑھ کر ہے' وہ زائد مال ہے- وہ اللہ کی راہ میں جتنی رقم خرچ کر ڈالتا ہے' وہ اتنی اہم نہیں ہے' اہم بات یہ ہے کہ ایک انسان جتنا کچھ درحقیقت دے سکتا ہے کیا وہ خوش دلی سے اتنا ہی دے رہا ہے یا نہیں؟ خدا کو تمام چیزوں کا علم ہے اس کے باوجود اس نے یہ فیصلہ انسان کے ضمیر پر چھوڑ دیا ہے کہ اس کے پاس کیا کچھ ہے جو اس کی حقیقی ضرورت نہیں ہے- خرچ کرنا عبادت کی بہت آسان شکل ہے لیکن ان لوگوں کے لئے جو حرصِ دنیا میں مبتلا نہیں ہیں اور جو صرف اسی دنیا کے ہو کر نہیں رہ گئے بلکہ انہیں صرف آخرت کی فکر لگی رہتی ہے- خدا نے ہمیں دولت خرچ کرنے کا حکم اس لئے دیا ہے کہ ہم دنیا میں دھنس جانے سے بچے رہیں- یہ ہمیں حرص اور لالچ سے پاک کرنے کا ایک ذریعہ ہے- یہ مالی عبادت ہے جس سے اہل ایمان کے لئے یوم حساب کی جواب دہی آسان ہو جائے گی- رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا ہے کہ اللہ کی راہ خرچ کرنے والا شخص اس کا

پسندیدہ بندہ ہے۔

''اللہ تعالیٰ دو بندوں کو محبوب رکھتا ہے: ایک وہ جسے خدا نے قرآن دیا اور اس نے اسے اپنے دل سے لگا لیا' اس نے اللہ کی حلال ٹھہرائی ہوئی چیزوں کو حلال جانا اور حرام کو حرام سمجھا۔ دوسرا وہ شخص جسے خدا نے مال عطا کیا اور اس نے آگے اسے اپنے اقرباء میں بانٹا اور اللہ کی راہ میں خرچ کیا''۔ (رموز الحدیث جلد اول صفحہ ۱۳۷)

اللہ کی راہ میں وہ چیز دو جو تمہاری پسندیدہ ترین ہو

لوگ کسی کو عموماً وہ چیز دیتے ہیں جس کے دینے سے ان کے اپنے مفاد کو کوئی نقصان نہ پہنچتا ہو۔ مثال کے طور پر کسی ضرورت مند کو ایسی چیز دے دینا جس کی انہیں خود کوئی ضرورت نہیں رہی یا وہ چیز سٹائل پرانا ہو جانے کی وجہ سے ناپسندیدہ ہو گئی ہے یا جسم پر اب فٹ نہیں آتی۔

تاہم خدا کا فرمان ہے کہ دوسروں کو وہ چیز دو جسے تم اپنے لئے بھی پسند کرتے ہو۔ ہو سکتا ہے کہ کسی کے لئے اپنی پسندیدہ چیز دینا مشکل ہو لیکن تزکیۂ نفس اور نیکی کمانے کے لئے ایسی فیاضی کرنا ضروری ہے۔ خدا نے اپنے بندوں کو اپنی خوشنودی کے راز سے مطلع فرما دیا ہے اور تاکید کی ہے کہ نیکی کمانے کا اس کے سوا کوئی اور راستہ نہیں:

﴿لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ وَ مَا تُنْفِقُوْا مِنْ شَیْءٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِیْمٌ ۝﴾ (سورة ال عمران : ٩٢)

''تم نیکی کو نہیں پہنچ سکتے جب تک کہ اپنی وہ چیزیں (خدا کی راہ میں) خرچ نہ کرو جنہیں تم عزیز رکھتے ہو اور جو کچھ تم خرچ کرو گے اللہ اس سے بے خبر نہ ہو گا''۔

﴿یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اَنْفِقُوْا مِنْ طَیِّبٰتِ مَا كَسَبْتُمْ وَ مِمَّاۤ اَخْرَجْنَا لَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ وَ لَا تَیَمَّمُوا الْخَبِیْثَ مِنْهُ تُنْفِقُوْنَ وَ لَسْتُمْ بِاٰخِذِیْهِ

اِلَّآ اَنْ تُغْمِضُوْا فِيْهِ وَ اعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ حَمِيْدٌ ۝﴾

(سورۃ البقرہ : ۲۶۷)

"اے لوگو جو ایمان لائے ہو' جو مال تم نے کمائے ہیں اور جو کچھ ہم نے زمین سے تمہارے لئے نکالا ہے' اس میں سے بہتر حصہ راہ خدا میں خرچ کرو۔ ایسا نہ ہو کہ اس کی راہ میں دینے کے لئے بری سے بری چیز چھانٹنے کی کوشش کرنے لگو' حالانکہ وہی چیز اگر کوئی تمہیں دے تو تم ہرگز اسے لینا گوارا نہ کرو گے۔ الا یہ کہ اس کو قبول کرنے میں تم اغماض برت جاؤ۔ تمہیں جان لینا چاہیے کہ اللہ بے نیاز ہے اور بہترین صفات سے متصف ہے"۔

انفاق فی سبیل اللہ قربِ الٰہی کا ذریعہ ہے

ایک مومن کو خدا کی محبت اور اس کی خوشنودی سے بڑھ کر کوئی چیز عزیز نہیں ہو سکتی۔ وہ زندگی بھر قربِ الٰہی کا متمنی رہتا ہے' اس کے بارے میں قرآن مجید میں یہ ارشاد آیا ہے:

﴿یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَابْتَغُوْا اِلَیْهِ الْوَسِیْلَةَ وَ جَاهِدُوْا فِیْ سَبِیْلِهٖ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ٥﴾(سورة المائده : ٣٥)

''اے لوگو! جو ایمان لائے ہو' اللہ سے ڈرو اور اس کی جناب میں باریابی تلاش کرو' اور اس کی راہ میں جہاد کرو' شاید کہ تمہیں کامیابی نصیب ہو جائے''۔

قرآن مجید میں اہل ایمان کے لئے ایک خوشخبری اور ایک حقیقت کے طور پر خداوندکریم نے فرمایا ہے کہ جو کچھ بھی خرچ کیا جائے اس میں منتہائے مقصود قرب الٰہی ہونا چاہیے' اس لیے ایک مومن کو اپنی عزیز ترین اور اپنی ضرورت سے زائد چیزیں اس کی راہ میں دینا کوئی مشکل کام نہیں لگتا۔ بلکہ وہ اسے اظہارِ بندگی اور اظہار حبِ الٰہی کے لئے ایک بیش قیمت موقع سمجھتا ہے۔ اس سلسلے میں یہ آیت ملاحظہ کیجئے:

﴿وَ مِنَ الْاَعْرَابِ مَنْ یُّؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَ الْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَ یَتَّخِذُ مَا یُنْفِقُ قُرُبٰتٍ عِنْدَ اللّٰهِ وَ صَلَوٰتِ الرَّسُوْلِ اَلَاۤ اِنَّهَا قُرْبَةٌ لَّهُمْ سَیُدْخِلُهُمُ اللّٰهُ فِیْ رَحْمَتِهٖ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ٥﴾(سورة التوبه : ٩٩)

''اور انہی بدویوں میں کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو اللہ اور روزِ آخر پر ایمان رکھتے اور جو کچھ خرچ کرتے ہیں اسے اللہ کے ہاں تقرب کا اور رسولؐ کی طرف سے رحمت کی دعائیں لینے کا ذریعہ بناتے ہیں- ہاں! وہ ضرور ان کے لئے تقرب کا ذریعہ ہے اور اللہ ضرور ان کو اپنی رحمت میں داخل کرے گا- یقیناً اللہ درگزر کرنے والا اور رحم فرمانے والا ہے''-

جو کچھ بھی راہ اللہ میں دیا جائے گا اس کا بہترین اجر ملے گا

قرآن میں انفاق فی سبیل اللہ کے بارے میں اس حقیقت سے بھی آگاہ کیا گیا ہے کہ بندہ خدا کی راہ میں جو کچھ بھی خرچ کرتا ہے وہ اسے یقیناً لوٹا دیا جائے گا یہ لوگوں کے ساتھ خدا کا وعدہ ہے۔ جو لوگ غربت سے خائف ہوئے بغیر اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں ان پر زندگی بھر خدا کی عنایات کا سلسلہ جاری رہتا ہے۔ جو کچھ بھی انفاق فی سبیل کے طور پر دیا جاتا ہے وہ پورے کا پورا واپس مل جاتا ہے۔ اس وعدے کے سلسلے میں قرآن مجید میں ذیل کی آیات آئی ہیں:

﴿لَيْسَ عَلَيْكَ هُدٰهُمْ وَ لٰكِنَّ اللّٰهَ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ وَ مَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَيْرٍ فَلِاَنْفُسِكُمْ وَ مَا تُنْفِقُوْنَ اِلَّا ابْتِغَآءَ وَجْهِ اللّٰهِ وَ مَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَيْرٍ يُّوَفَّ اِلَيْكُمْ وَ اَنْتُمْ لَا تُظْلَمُوْنَ ۝﴾ (سورة البقره : ۲۷۲)

''اے نبیؐ لوگوں کو ہدایت بخشنے کی ذمہ داری تم پر نہیں ہے۔ ہدایت تو اللہ ہی جسے چاہتا ہے بخشتا ہے۔ اور راہ خیر میں جو مال تم خرچ کرتے ہو وہ تمہارے اپنے لیے بھلا ہے۔ آخر تم اسی لیے تو خرچ کرتے ہو کہ اللہ کی رضا حاصل ہو۔ جو کچھ تم راہ خیر میں خرچ کرو گے اور تمہاری حق تلفی ہرگز نہ ہوگی اس کا پورا پورا اجر تمہیں دیا جائے گا''۔

﴿وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ شَيْءٍ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ يُوَفَّ اِلَيْكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تُظْلَمُوْنَ﴾

(سورة الانفال : ۶۰)

''اللہ کی راہ میں جو کچھ تم خرچ کرو گے اس کا پورا پورا بدلہ تمہاری طرف پلٹایا جائے گا اور تمہارے ساتھ کوئی ظلم نہ ہوگا''۔

﴿قُلْ اِنَّ رَبِّیْ یَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ یَّشَآءُ مِنْ عِبَادِہٖ وَ یَقْدِرُ لَہٗ وَ مَآ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ شَیْءٍ فَھُوَ یُخْلِفُہٗ وَ ھُوَ خَیْرُ الرّٰزِقِیْنَ﴾

(سورۃ سبا : ۳۹)

''اے نبی ان سے کہو'' میرا رب اپنے بندوں میں سے جسے چاہتا ہے کھلا رزق دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے نپا تلا دیتا ہے۔ جو کچھ تم خرچ کر دیتے ہو اس کی جگہ وہی تم کو اور دیتا ہے۔ وہ سب رازقوں سے بہتر رازق ہے''۔

اہل ایمان جب انفاق فی سبیل اللہ کرتے ہیں تو ان کا مطمحِ نظر محض خدا کی خوشنودی حاصل کرنا اور اس سے جنت مانگنا ہوتا ہے' لیکن جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وہ جو کچھ بھی خرچ کرتے ہیں وہ واپس آ جاتا ہے۔ یہ واپسی اس دنیا میں بھی اس کی عنایات کی صورت میں ہوتی ہے' اور جنت میں بھی اجرِ عظیم کی شکل میں ہوگی۔ اس کے برعکس جو لوگ کنجوسی اور بخل سے کام لیتے ہیں اور خدا کی مقرر کردہ حدود کی پرواہ کیے بغیر زیادہ سے زیادہ دولت اکٹھی کرنے کی کوشش کرتے رہتے ہیں خدا ان کی روزی میں کمی کر دیتا ہے۔ اس سلسلے میں ایک آیت قرآن ان لوگوں کے بارے میں اتاری گئی ہے جو سود کماتے ہیں:

﴿یَمْحَقُ اللّٰہُ الرِّبٰوا وَ یُرْبِی الصَّدَقٰتِ وَ اللّٰہُ لَا یُحِبُّ کُلَّ کَفَّارٍ اَثِیْمٍ ۝﴾ (سورۃ البقرہ : ۲۷۶)

''اللہ سود کا کھ مار دیتا ہے اور صدقات کو نشو ونما دیتا ہے اور اللہ کسی ناشکرے بدعمل انسان کو پسند نہیں کرتا''۔

خدا خرچ کرنے والوں کو جو فراوانی عطا فرماتا ہے' اس کا ذکر ذیل کی آیت

میں آیا ہے:

﴿مَثَلُ الَّذِيْنَ يُنفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ كَمَثَلِ حَبَّةٍ اَنْبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلَ فِيْ كُلِّ سُنْبُلَةٍ مِّائَةُ حَبَّةٍ وَاللّٰهُ يُضٰعِفُ لِمَنْ يَّشَآءُ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ○﴾ (سورۃ البقرہ: ۲۶۱)

''جو لوگ اپنے مال اللہ کی راہ میں صرف کرتے ہیں ان کے خرچ کی مثال ایسی ہے جیسے ایک دانہ بویا جائے اور اس سے سات بالیں نکلیں اور ہر بال میں سو (۱۰۰) دانے ہوں۔ اسی طرح اللہ جس عمل کو چاہتا ہے بڑھا چڑھا کر عطا فرماتا ہے۔ وہ فراخ دست بھی ہے اور علیم بھی''۔

﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُبْطِلُوْا صَدَقٰتِكُمْ بِالْمَنِّ وَالْاَذٰى كَالَّذِيْ يُنْفِقُ مَالَهٗ رِئَآءَ النَّاسِ وَلَا يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ فَمَثَلُهٗ كَمَثَلِ صَفْوَانٍ عَلَيْهِ تُرَابٌ فَاَصَابَهٗ وَابِلٌ فَتَرَكَهٗ صَلْدًا لَا يَقْدِرُوْنَ عَلٰى شَيْءٍ مِّمَّا كَسَبُوْا وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ ○﴾

(سورۃ البقرہ: ۲۶۴)

''اے ایمان والو! اپنے صدقات کو احسان جتا کر اور دکھ دے کر اس شخص کی طرح خاک میں نہ ملا دو جو اپنا مال محض لوگوں کے دکھانے کو خرچ کرتا ہے۔ اور نہ اللہ پر ایمان رکھتا ہے' نہ آخرت پر۔ اس کے خرچ کی مثال ایسی ہے جیسے ایک چٹان تھی جس پر مٹی کی تہہ جمی ہوئی تھی۔ اس پر جب زور کا مینہ برسا تو ساری مٹی بہہ گئی اور صاف چٹان کی چٹان رہ گئی۔ ایسے لوگ اپنے نزدیک خیرات کر کے جو نیکی کماتے ہیں' اس سے کچھ بھی ان کے ہاتھ نہیں آتا۔ اور کافروں کو سیدھی راہ دکھانا اللہ کا دستور نہیں ہے''۔

﴿وَ مَثَلُ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمُ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ وَ تَثْبِيْتًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ كَمَثَلِ جَنَّةٍ ۭ بِرَبْوَةٍ اَصَابَهَا وَابِلٌ فَاٰتَتْ اُكُلَهَا ضِعْفَيْنِ فَاِنْ لَّمْ يُصِبْهَا وَابِلٌ فَطَلٌّ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ؀﴾

(سورة البقرة : ٢٦٥)

''بخلاف اس کے جولوگ محض اللہ کی رضا جوئی کے لئے دل کے پورے ثبات وقرار کے ساتھ خرچ کرتے ہیں' ان کے خرچ کی مثال ایسی ہے جیسے کسی سطح مرتفع پر ایک باغ ہو- اگر زور کی بارش ہو جائے تو دوگنا پھل لائے اور اگر زور کی بارش نہ بھی ہو تو ہلکی پھوار ہی اس کے لئے کافی ہو جائے تم جو کچھ بھی کرتے ہو سب اللہ کی نظر میں ہے''-

ان آیات میں سے ہر ایک حقیقت ہے جس کا خدا نے قرآن میں اظہار فرما دیا ہے- اہل ایمان صرف خدا کی خوشنودی' اس کے رحم وکرم اور اس کی جنت حاصل کرنے پر اپنی دولت خرچ کرتے ہیں- تاہم قرآن میں ان بیان کردہ حقائق کا علم پا کر وہ دنیا میں بھی اس کی عنایات اور کرم کی امید لگا لیتے ہیں- وہ اللہ کی راہ میں جتنا زیادہ مال خرچ کرتے ہیں' اتنی زیادہ باریک بینی سے وہ حلال اور حرام میں بھی تمیز کرتے ہیں- خدا ان کی دولت میں مزید برکت و اضافہ عطا کرتا ہے جس سے ان کے کام آسان' اور سہل ہو جاتے ہیں' اس طرح وہ ان کے لئے اپنی راہ میں خرچ کرنے کے بھی مزید مواقع پیدا کرتا رہتا ہے- ہر مومن جس کے دل میں خدا کا خوف رچا بسا ہوا ہو' اس کے دل میں مستقبل کے بارے میں کوئی تفکرات نہیں ہوتے اسے زندگی بھر اس حقیقت کا تجربہ ہوتا رہتا ہے-

اعمال صالحہ اور اقوالِ شیریں کا اثر

آج دنیا پر امن ماحول کی تلاش میں سرگرداں ہے جہاں ہر کوئی محفوظ زندگی گزار سکے اور ہر طرف دوستی اور بھائی چارے کی فضا ہو۔ تاہم اس حسرت بھری تمنا کے باوجود ایسی اقدار کی ترویج کے لئے کوئی عملی کوشش نہیں کی جا رہی ہے جو امن کی ضمانت دے سکیں۔ الٹا ہو یہ رہا ہے کہ امن و سلامتی کی خواہش رکھنے والے لوگ خود تو کشمکش اور بے چینی کا سبب بنے ہوئے ہیں اور دوسروں سے توقع کرتے ہیں کہ وہ انہیں امن اور دوستی کی فضا مہیا کریں۔ یہ صورت حال' خاندانی تعلقات اور کسی کمپنی کے ملازمین کے باہمی تعلقات میں بھی اسی طرح پائی جاتی ہے جس طرح سماجی امور اور بین الاقوامی تعلقات میں پائی جاتی ہے۔ حالانکہ اہل دنیا کو یہ معلوم ہونا چاہیے کہ وہ جو کچھ چاہتے ہیں وہ جذبۂ ایثار کے بغیر ممکن نہیں ہے۔ کشمکش اور بے چینی' اپنی بات کو حرف آخر سمجھنے' مفاہمت کا رویہ اختیار نہ کرنے اور جذبۂ ایثار کا مظاہرہ نہ کرنے کا لازمی نتیجہ ہوتی ہے۔ اہل دنیا کے مقابلے میں خدا کا خوف رکھنے والے اہل ایمان کا طرز عمل بالکل مختلف ہوتا ہے۔ وہ بے غرض' ایثار پیشہ' نرم مزاج اور بردبار ہوتے ہیں۔ ان سے کوئی زیادتی بھی کر دی جائے تو وہ جواب میں عفوو درگزر کا مظاہرہ کرتے ہیں' بلکہ معاشرتی امن کی خاطر اپنے حق سے بھی دستبردار ہو جاتے ہیں۔ اپنے آرام پر دوسرے کے آرام کو اور اپنی خوشی پر دوسرے کی خوشی کو ترجیح دیتے ہیں۔ یہ مومنانہ صفات ہیں جن کا قرآن مجید میں یوں ذکر آیا ہے:

﴿وَ لَا تَسْتَوِی الْحَسَنَةُ وَ لَا السَّیِّئَةُ اِدْفَعْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ فَاِذَا

الَّذِیْ بَیْنَکَ وَ بَیْنَهٗ عَدَاوَةٌ كَاَنَّهٗ وَلِیٌّ حَمِیْمٌ ○ وَ مَا یُلَقّٰهَاۤ اِلَّا الَّذِیْنَ صَبَرُوْا وَمَا یُلَقّٰهَاۤ اِلَّا ذُوْ حَظٍّ عَظِیْمٍ ○ ﴾

(سورۃ حٰم سجدہ : ۳۴،۳۵

''اے نبیؐ نیکی اور بدی یکساں نہیں ہیں-تم بدی کو اس نیکی سے دفع کرو جو بہترین ہو-تم دیکھو گے کہ تمہارے ساتھ جس کی عداوت پڑی ہوئی تھی وہ جگری دوست بن گیا ہے- یہ صفت نصیب نہیں ہوتی مگر ان لوگوں کو جو صبر کرتے ہیں اور یہ مقام حاصل نہیں ہوتا مگر ان لوگوں کو جو بڑے نصیبے والے ہوتے ہیں''-

---

﴿اُدْعُ اِلٰی سَبِیْلِ رَبِّکَ بِالْحِكْمَةِ وَ الْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَ جَادِلْهُمْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ اِنَّ رَبَّکَ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِیْلِهٖ وَ هُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِیْنَ ○ ﴾ (سورۃ النحل : ۱۲۵)

''اے نبیؐ! اپنے رب کے راستے کی طرف دعوت دو حکمت اور عمدہ نصیحت کے ساتھ اور لوگوں سے مباحثہ کرو ایسے طریقہ پر جو بہترین ہو-تمہارا رب ہی زیادہ بہتر جانتا ہے کہ کون اس کی راہ سے بھٹکا ہوا ہے اور کون راہ راست پر ہے''-

جیسا کہ ان آیات میں بتایا گیا ہے کہ اہل ایمان کے اچھے طرز عمل کے بدلے میں خدا ان کے دشمنوں کو ان کے مخلص دوست بنا دیتا ہے- یہ خدا کے رازوں میں سے ایک راز ہے- سارے انسانوں کے دل آخر خدا ہی کے ہاتھ میں ہیں' وہ جب بھی چاہتا ہے لوگوں کے دلوں اور خیالات کو تبدیل کر دیتا ہے-

ایک اور آیت قرآنی میں خدا ہماری توجہ نرم الفاظ کے اثر کی طرف مبذول

کراتا ہے- خدا حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ہارون علیہ السلام کو حکم دیتا ہے کہ وہ فرعون کے پاس جائیں اور اسے نرم الفاظ میں دعوت دیں فرعون کے سرکشی و نافرمانی اور بے رحمانہ طرزِ عمل کے باوجود خدا نے اپنے پیغمبروں کو نرم الفاظ میں اس سے مخاطب ہونے کا حکم دیا- قرآن کے الفاظ میں:

﴿اِذْهَبَآ اِلٰى فِرْعَوْنَ اِنَّهٗ طَغٰى ۝ فَقُوْلَا لَهٗ قَوْلًا لَّيِّنًا لَّعَلَّهٗ يَتَذَكَّرُ اَوْ يَخْشٰى ۝﴾ (سورۃ طٰہٰ: ۴۳، ۴۴)

''جاؤ تم دونوں فرعون کے پاس کہ وہ سرکش ہو گیا ہے- اس سے نرمی کے ساتھ بات کرنا شاید کہ وہ نصیحت قبول کرے یا ڈر جائے''-

یہ آیات اہل ایمان کو اس طرزِ عمل کے بارے میں مطلع کرتی ہیں جو انہیں، کفار، اپنے دشمنوں اور سرکشوں سے مخاطب ہوتے وقت اختیار کرنا چاہیے- یہ طرزِ عمل صبر، عزم میانہ روی اور حکمت کا مظہر ہے- خدا نے مسلمانوں پر واضح کیا کہ اگر انہوں نے یہ طرزِ تخاطب اختیار کیا، اس کے احکامات کی بجا آوری کی اور اعلیٰ اخلاق کا مظاہرہ کیا تو وہ دشمنوں کو تمہارے دوست بنا دے گا-

لوگوں کے لئے کشادگی پیدا کرنے میں حکمتِ خدا

لوگ عام طور پر جن سنگین غلطیوں کا ارتکاب کرتے ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ ہر چیز کو کسی دوسری چیز کا نتیجہ قرار دیتے ہیں- مثال کے طور پر جیسا کہ پچھلے صفحات میں ذکر آ چکا ہے کہ اگر ہم نے خدا کی راہ خرچ کیا تو ہماری دولت ختم ہو جائے گی لیکن ان کی یہ سوچ خدا کی حکمت تخلیق کے رازوں سے ناواقفیت کا نتیجہ ہے- وہ فرماتا ہے کہ میں خرچ کرنے والوں پر اس دنیا میں بھی اپنی رحمتیں نازل کروں گا اور آخرت میں انہیں وافر مقدار میں عطا کروں گا- تاہم چونکہ وہ لوگوں کو اس دنیا میں بھی علت و معلول کو کام کرتے ہوئے دکھانا سمجھانا چاہتا ہے اس لئے وہ اس کی راہ میں دولت خرچ کرنے والے شخص کے معاملاتِ دنیا کو سہل بنا دیتا ہے اور اس کی کمائی میں بھی برکت ڈال دیتا ہے- یا جیسا کہ پچھلے صفحات میں بیان کیا گیا ہے' ہو سکتا ہے کہ ایک شخص کسی بد طبیعت آدمی سے معاملہ کرتے وقت اس بنا پر سخت رویہ اختیار کرے کہ "ایسے لوگوں پر شرافت کی زبان کا کوئی اثر نہیں ہوتا" تاہم جو شخص خدا کے احکامات کی اطاعت کرتا ہے اسے اندازہ ہو جائے گا کہ قرآنی حکمت' مسئلے کا واحد حل ہے-

قرآنی حکمتوں میں سے ایک حکمت خدا کے اس حکم میں واضح طور پر محسوس کی جا سکتی ہے:

﴿يَآ يُّهَا الَّذِينَ اٰمَنُوٓا اِذَا قِيلَ لَكُمْ تَفَسَّحُوا فِي الْمَجٰلِسِ فَافْسَحُوا يَفْسَحِ اللّٰهُ لَكُمْ وَاِذَا قِيلَ انْشُزُوا فَانْشُزُوا يَرْفَعِ اللّٰهُ الَّذِينَ اٰمَنُوا

مِنْكُمْ وَالَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ دَرَجٰتٍ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ○ ﴾

(سورة المجادله : ۱۱)

''اے لوگو جو ایمان لائے ہو جب تم سے کہا جائے کہ اپنی مجلسوں میں کشادگی پیدا کرو تو جگہ کشادہ کر دیا کرو اللہ تمہیں کشادگی بخشے گا اور جب تم سے کہا جائے کہ اٹھ جاؤ تو اٹھ جایا کرو۔ تم میں سے جو لوگ ایمان رکھنے والے ہیں اور جن کو علم بخشا گیا ہے اللہ ان کو بلند درجے عطا فرمائے گا اور جو کچھ تم کرتے ہو اللہ کو اس کی خبر ہے''۔

خدا اہلِ ایمان کو مجالس میں نئے آنے والوں کے لئے جگہ بنانے کا حکم دیتا ہے، یا جب ضرورت پڑے تو جمگھٹے کو کم کرنے کی ہدایت کرتا ہے۔ یہ بات دوسروں کا خیال رکھنے اور ان کے لئے آسانی پیدا کرنے کا جذبہ ابھارنے کے علاوہ خدا کی اطاعت کی بھی نشانی ہے۔ اس میں خدا نے اس امر کا بھی اظہار فرمایا ہے کہ وہ اہل ایمان کے لئے بہت گنجائش پیدا کرے گا، اور اس طرز عمل کے بدلے ان کے درجات بلند فرمائے گا۔ ہر شخص کا ارادہ اور دل اس کے ہاتھ میں ہے۔ اگر وہ اپنے کسی بندے کے طرز عمل سے خوش ہوا تو وہ اس پر کسی قسم کی بھی عنایت کر سکتا ہے۔ اس لئے اہل ایمان ہر کام کے نتیجے اور اس کے اجر کی اس سے امید کر سکتے ہیں۔ جب وہ کسی مجلس میں دوسروں کے لئے جگہ بناتے ہیں تو وہ ان لوگوں سے اس کے شکریے کی توقع نہیں کرتے بلکہ خدا کی خوشنودی کے طالب ہوتے ہیں اور اس سے اطمینانِ قلب اور بلندئ درجات کی توقع کرتے ہیں۔

دینی کاموں کے لیے نصرت خداوندی

خداوند تعالیٰ نے قرآن مجید میں ایک اہم نکتے کا انکشاف کیا ہے اور وہ یہ ہے:

﴿یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِنْ تَنْصُرُوا اللّٰهَ یَنْصُرْكُمْ وَ یُثَبِّتْ اَقْدَامَكُمْ﴾

(سورۃ محمد: ۷)

''اے لوگو جو ایمان لائے ہو اگر تم اللہ کی مدد کرو گے تو وہ تمہاری مدد کرے گا اور تمہارے قدم مضبوط جما دے گا''۔

اہلِ ایمان زندگی بھر قرآنی اقدار اور احکاماتِ الٰہی کی تبلیغ کے لئے جدوجہد کرتے رہتے ہیں دوسری طرف پوری تاریخ اس امر کی گواہ ہے کہ کفار کے مختلف گروہ ان کے خلاف ہر دور میں سرگرم عمل رہے ہیں اور جبر و تشدد کے حربوں سے انہیں اس کام سے روکنے کی کوشش کرتے رہے ہیں۔ خداوند تعالیٰ قرآن میں فرماتا ہے کہ کفار کے خلاف وہ اہلِ ایمان کا حامی و ناصر ہے اور ان کے کام کو آسان بناتا رہے گا۔ جو مسلمان خلوص دل کے ساتھ اسلام کی اشاعت و تبلیغ میں مصروف رہتے ہیں وہ زندگی کے ہر لمحے میں خدا کی تائید و نصرت کو محسوس کرتے رہے ہیں۔ انہیں مشکل حالات سے بھی سابقہ پڑتا رہا ہے لیکن تائید ایزدی سے بالآخر ان کی مشکلات دور ہو جاتی رہی ہیں۔ بعض کمزور ایمان والے مسلمان کٹھن منزلوں کو دیکھ کر جب گھبر گئے تو اچانک کسی طرف سے نصرتِ خداوندی کا ظہور ہو گیا جس سے راہ کی ہر رکاوٹ دور ہو گئی۔

جن اہل ایمان کو خدا کی تائید و نصرت پر پورا بھروسہ ہوتا ہے وہ کبھی مایوسی کا شکار نہیں ہوتے اور صبر و حوصلے سے تائید غیبی کی آمد کا انتظار کرتے ہیں۔ حتیٰ کہ وہ اپنی آنکھوں سے دیکھ لیتے ہیں کہ قدرتِ خداوندی نے کیسے ان کی مدد فرمائی۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کے متبعین کی مثال ہمارے سامنے ہے- وہ جب فرعون کے مظالم سے تنگ آ کر مصر سے نکل آئے تو اس کی فوج ان کا تعاقب کرتی ہوئی سمندر کے کنارے تک آ پہنچی- حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ہمراہیوں میں سے جن کے ایمان کمزور تھے وہ دشمن کے لشکر کو دیکھ کر گھبرا گئے کہ "بس ہم پکڑے گئے"- اس پر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا:

﴿.....اِنَّ مَعِیَ رَبِّیْ سَیَهْدِیْنِ﴾ (سورۃ الشعراء : ٦٢)

"میرا رب میرے ساتھ ہے' وہ میری رہنمائی کرے گا"-

اس طرح انہوں نے خدا پر اپنے بھروسے کا اظہار کر کے اپنے پیروکاروں کی ڈھارس بندھائی چنانچہ دیکھتے ہی دیکھتے سمندر پھٹ گیا' اس میں راستے بن گئے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کے ہمراہی بخیریت دوسرے کنارے پر جا پہنچے- انہی راستوں میں سے جب فرعون اور اس کا لشکر گزرنے لگا تو خدا سمندر کو دوبارہ پہلی حالت میں لے آیا جس سے فرعون اور اس کے سپاہی غرق ہو گئے-

بندۂ مومن خدا کے بہت قریب ہوتا ہے اور اس کو اپنا دوست اور حامی و ناصر سمجھتا ہے اور جانتا ہے کہ خدا ان لوگوں کی یقیناً مدد کرتا ہے جو اس پر ایمان لاتے ہیں- بندے کو اپنی عمر کے تمام مرحلوں میں خدا کی قدرت اور اس کی طرف سے آنے والی نصرت کے مظاہر دیکھنے کو ملتے رہتے ہیں- سمندر کا پھٹ کر آلِ موسیٰ کو راستہ دے دینا اور فرعون کا اسی وقت وہیں غرق ہو جانا' ان معجزاتِ خداوندی میں سے ہے جو خداوندِ قدوس نے مختلف اوقات میں اپنے نبیوں کو دکھائے ہیں- تاہم اگر اہل ایمان سنجیدہ غور و فکر سے کام لیں' خدا کی قدرتِ تخلیق کا مشاہدہ کریں اور قرآنی آیات کی روشنی میں ان کا جائزہ لیں تو انہیں ہر واقعہ میں خدا کی تائید و نصرت کے معجز نما واقعات نظر آنے لگیں گے-

خدا اہل ایمان کو غیر محسوس طریقوں سے بھی مدد دیتا ہے

قرآن مجید کی کئی آیات میں مومنوں کو دی جانے والی امداد کا ذکر کیا گیا ہے اور اس کے نئے نئے طریقوں کی طرف بھی اشارہ کیا گیا ہے۔ مثلاً ایک آیت میں آیا ہے کہ وہ دشمنوں کو تمہاری تعداد دو گنا کر کے دکھا دے گا۔

﴿قَدْ كَانَ لَكُمْ اٰيَةٌ فِيْ فِئَتَيْنِ الْتَقَتَا فِئَةٌ تُقَاتِلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَ اُخْرٰى كَافِرَةٌ يَّرَوْنَهُمْ مِّثْلَيْهِمْ رَاْيَ الْعَيْنِ وَ اللّٰهُ يُؤَيِّدُ بِنَصْرِهٖ مَنْ يَّشَآءُ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَعِبْرَةً لِّاُولِي الْاَبْصَارِ ۝﴾ (سورة آل عمران : ۱۳)

"تمہارے لئے ان دو گروہوں میں ایک نشانِ عبرت تھا جو (بدر) میں ایک دوسرے سے نبرد آزما ہوئے۔ ایک گروہ اللہ کی راہ میں لڑ رہا تھا اور دوسرا گروہ کافر تھا۔ دیکھنے والے بچشمِ سر دیکھ رہے تھے کہ کفار گروہ مومن گروہ سے دو چند ہے۔ مگر (نتیجے نے ثابت کر دیا کہ) اللہ اپنی فتح و نصرت سے جس کو چاہتا ہے مدد دیتا ہے۔ دیدۂ بینا رکھنے والوں کے لئے اس میں بڑا سبق پوشیدہ ہے"۔

دشمنوں کے منصوبے ناکام بنا کر بھی اہل ایمان کی مدد کی جاتی ہے

جیسا کہ پہلے ذکر کیا جا چکا ہے کہ کفار مسلمانوں کو خدا کی راہ پر چلنے سے روکنے کے لئے ان کے لئے مشکلات پیدا کرتے اور قسم قسم کی سازشیں کرتے رہتے ہیں لیکن خدا نے قرآن میں اہل ایمان کو مطلع کیا ہے کہ ان کے خلاف تیار کردہ سارے منصوبوں کو ناکام بنا دیا جائے گا۔ الٹا یہ منصوبے ان کے اپنے گلے پڑیں گے اور مسلمانوں کو کوئی گزند نہ پہنچ سکے گا۔

ذیل کی آیات ملاحظہ کیجئے:

﴿فَلَمَّا جَآءَهُمْ نَذِيْرٌ مَّازَادَهُمْ اِلَّا نُفُوْرَا ۟ ۝ اسْتِكْبَارًا فِي الْاَرْضِ وَ مَكْرَ السَّيِّءِ وَلَا يَحِيْقُ الْمَكْرُ السَّيِّءُ اِلَّا بِاَهْلِهٖ فَهَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّا سُنَّتَ الْاَوَّلِيْنَ فَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّتِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا وَ لَنْ تَجِدَ لِسُنَّتِ اللّٰهِ تَحْوِيْلًا ۝﴾ (سورۃ فاطر : ۴۲، ۴۳)

"مگر جب خبردار کرنے والا ان کے ہاں آ گیا تو اس کی آمد نے ان کے اندر حق سے فرار کے سوا کسی چیز میں اضافہ نہ کیا۔ یہ زمین میں اور زیادہ سرکشی کرنے لگے اور بری بری چالیں چلنے لگے۔ حالانکہ بری چالیں اپنے چلنے والوں ہی کو لے بیٹھتی ہیں۔ اب کیا یہ لوگ اس کا انتظار کر رہے ہیں کہ پچھلی قوموں کے ساتھ اللہ کا جو طریقہ رہا ہے وہی ان کے ساتھ بھی ہوتا

رہے؟ یہی بات ہے تو تم اللہ کے طریقے میں ہرگز تبدیلی نہ پاؤ گے۔ اور تم کبھی نہ دیکھو گے کہ اللہ کی سنت کو اس کے مقرر راستے سے کوئی طاقت پھیر سکتی ہے''۔

﴿اِنْ تَمْسَسْكُمْ حَسَنَةٌ تَسُؤْهُمْ وَاِنْ تُصِبْكُمْ سَيِّئَةٌ يَّفْرَحُوْا بِهَا وَ اِنْ تَصْبِرُوْا وَ تَتَّقُوْا لَا يَضُرُّكُمْ كَيْدُهُمْ شَيْئًا اِنَّ اللّٰهَ بِمَا يَعْمَلُوْنَ مُحِيْطٌ ○﴾ (سورۃ آل عمران: ۱۲۰)

''تمہارا بھلا ہوتا ہے تو ان کو برا معلوم ہوتا ہے اور تم پر کوئی مصیبت آتی ہے تو یہ خوش ہوتے ہیں مگر ان کی کوئی تدبیر تمہارے خلاف کارگر نہیں ہو سکتی بشرطیکہ تم صبر سے کام لو اور اللہ سے ڈر کر کام کرتے رہو جو کچھ یہ کر رہے ہیں اللہ اس پر حاوی ہے''۔

حضرت یوسف علیہ السلام کی زندگی اہل ایمان کے خلاف سازشوں کی ناکامی کے سلسلے میں ایک اہم مثال ہے جس کے حوالے سے اہلِ ایمان کو بتایا گیا ہے کہ یہ سازشیں بالآخر سازشیوں کے خلاف ہی پلٹ آئیں گی سورۃ یوسفؑ میں بیان کیا گیا کہ ان کے بھائی ان کی عظمت دیکھ کر بری طرح حسد میں مبتلا ہو گئے تھے چنانچہ انہوں نے ایک سازش تیار کر کے یوسف کو ایک کنوئیں میں پھینک دیا حالانکہ وہ ابھی بہت چھوٹے بچے تھے۔ دوسری سازش عزیزِ مصر (گورنر مصر) کی بیوی نے چلی کیونکہ آپ علیہ السلام گورنر ہی کے گھر میں رہتے تھے اس کی بیوی نے جھوٹا الزام لگا کر آپ کو جیل بھجوا دیا۔ خدا نے تمام سازشوں کو ناکام بنا دیئے اور آپ کو گزند سے تحفظ دینے کا وعدہ کر رکھا تھا' چنانچہ اس نے اپنا وعدہ پورا کر دکھایا اور حضرت یوسف علیہ السلام کو مصر کے خزانے کا حاکم مجاز مقرر کرا دیا۔ قرآن میں حضرت یوسفؑ کا یہ تبصرہ نقل کیا گیا ہے جس میں انہوں نے کہا کہ منکرین کی سازشوں کو

ناکامی مقدر ہو چکی ہے:

﴿ذَالِکَ لِیَعْلَمَ اَنِّیْ لَمْ اَخُنْهُ بِالْغَیْبِ وَ اَنَّ اللّٰهَ لَا یَهْدِیْ کَیْدَ الْخَآئِنِیْنَ ۝﴾ (سورة یوسف : ۵۲)

''(یوسفؑ نے کہا) ''اس سے میری غرض یہ تھی کہ (عزیز) یہ جان لے کہ میں نے در پردہ اس کی خیانت نہیں کی تھی۔ اور یہ کہ جو خیانت کرتے ہیں ان کی چالوں کو اللہ کامیابی کی راہ پر نہیں لگاتا''۔

باہمی انتشار کے تباہ کن اثرات

خدا نے اہل ایمان کو باہمی انتشار سے بچنے کی تلقین فرمائی ہے اور انہیں اس حقیقت سے مطلع کیا ہے کہ اگر وہ آپس میں لڑتے جھگڑتے رہے تو ان کی اجتماعی قوت زائل ہو جائے گی اور دل کمزور پڑ جائیں گے' قرآن میں اس کے بارے میں یہ آیت آئی ہے:

﴿وَ اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ وَ لَا تَنَازَعُوْا فَتَفْشَلُوْا وَ تَذْهَبَ رِیْحُكُمْ وَ اصْبِرُوْا اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِیْنَ ۝﴾ (سورة الانفال : ۴۶)

''اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو اور آپس میں جھگڑو نہیں' ورنہ تمہارے اندر کمزوری پیدا ہو جائے گی اور تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی۔ صبر سے کام لو' یقیناً اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے''۔

عجز و انکسار کو قرآنی اخلاقیات میں خاص اہمیت حاصل ہے۔ جو لوگ قرآنی اقدار پر یقین رکھتے ہیں وہ اپنے متنازعہ امور کو انہی قدروں کے مطابق طے کرتے ہیں اور انہی کی روشنی میں اپنے مسائل کا حل تلاش کرتے ہیں۔ دوسروں کے لئے آسانیاں پیدا کرتے ہیں اور حرص و لالچ سے بچنے کی کوشش کرتے ہیں۔ قرآن کے ضابطۂ اخلاق کی پرواہ نہ کی جائے تو پھر تنازعات ناگزیر ہو جاتے ہیں۔ ہر آدمی کا الگ نقطۂ نظر ہونا کوئی غیر فطری بات نہیں ہے' انسانی ذہن سوچتا تو رہتا ہی ہے' اس لئے اس کا اپنا نقطۂ نظر بن جانا بالکل فطری امر ہے۔ مثال کے طور پر ہمیں ایک مسئلہ درپیش ہے تو ۲۰ افراد کے پاس اس کے ۲۰ مختلف حل ہوں گے۔ ممکن ہے ان میں

سے ہر حل درست ہو' یا اس کے اندر کوئی داخلی تضاد موجود نہ ہو- اگر ہر آدمی کا اصرار ہو کہ صرف اسی کا پیش کردہ حل درست ہے تو صاف ظاہر ہے کہ اس سے ایک بدنظمی اور کشمکش جنم لے گی- ان افراد میں اتفاقِ رائے پیدا ہونے کی بجائے جھگڑے پیدا ہوں گے۔ ہر شخص اپنے آپ کو منوانے یعنی ذاتی برتری قائم کرنے کی کوشش کرے گا- جس سے وحدت کو نقصان پہنچے گا- بیں افراد کی ساری قوت منتشر ہو جائے گی' ان کے مابین اخوت کا رشتہ زائل ہو جائے گا-

اہل ایمان کے درمیان ایک دوسرے کے لئے محبت اور قربانی کا جذبہ ہونا چاہیے جو انہیں ایک مضبوط رشتۂ اتحاد میں پرو دے- خاص طور پر آزمائش کے مواقع پر خدا کو یاد کرتے ہوئے صبر و استقامت کے ساتھ ایک دوسرے کے ساتھ بڑھ چڑھ کر تعاون کا مظاہرہ کرنا چاہیے- باہمی مناقشتیں اور تنازعے' قوت میں کمی کا باعث بنتے ہیں جبکہ تعاون' قوت میں اضافے کا ذریعہ بنتا ہے- ایک اور آیت میں اللہ تعالیٰ نے انتباہ کیا ہے کہ اگر اہل ایمان ایک دوسرے کے دست و بازو نہ بنے تو زمین میں انتشار اور فساد مچ جائے گا- فرمایا:

﴿وَالَّذِينَ كَفَرُوا بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ إِلَّا تَفْعَلُوهُ تَكُنْ فِتْنَةٌ فِي الْأَرْضِ وَفَسَادٌ كَبِيرٌ ۝﴾ (سورۃ الانفال : ۷۳)

''جو لوگ منکرِ حق ہیں وہ ایک دوسرے کی حمایت کرتے ہیں- اگر تم یہ نہ کرو گے تو زمین میں فتنہ اور بڑا فساد برپا ہو جائے گا''-

اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو ایک بڑے راز سے آگاہ کر دیا ہے اور ان پر ایک عظیم ذمہ داری ڈالی ہے- کسی مسلمان کو دوسرے مسلمان کے ساتھ جھگڑے کو معمولی بات نہیں سمجھنا چاہیے- یہ نہیں کہنا چاہیے کہ ''ہم جھگڑ پڑے تو کیا ہو گیا؟'' چونکہ ہمیں یہ انتباہ خدا کی طرف سے کیا گیا ہے' مسلمانوں کے درمیان ہر جھگڑا' ان کی قوت میں

کمی کا باعث بنے گا' جس کے لئے انہیں خدا کے ہاں جواب دہی کرنا پڑے گی- اس لیے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ

''خدا سے ڈرو' آپس میں امن کے ساتھ رہو' خدا یقیناً مسلمانوں کے مابین امن وسلامتی چاہتا ہے''- (رموز الحدیث جلد اول صفحہ ۱۴)

مسلمانوں کو ایک دوسرے کے اندر عیوب اور کمزوریاں تلاش نہیں کرنا چاہئیں- بلکہ ان کی خامیوں اور عیبوں کی پردہ پوشی کرنی چاہیے- اتحاد سے اہل ایمان میں جو قوت پیدا ہوگی وہ یقیناً اسلام کے فروغ واشاعت اور قرآنی اخلاق کی ترویج پر خرچ ہوگی- اسی اتحاد کی وجہ سے وہ پیغام توحید پر غور وفکر کر کے اس کی تبلیغ کے سائنسی اصول وضع کر سکتے ہیں اور بنی نوع انسان کی فلاح وبہبود کے کاموں پر بھی توجہ دینے کے قابل ہو سکتے ہیں- تاہم یہ بات ہر کسی کو ذہن نشین کر لینی چاہیے کہ دین کے لیے اجتماعی کاموں میں فعال تعاون کرنے کے ساتھ ساتھ اسے آخرت کی دائمی زندگی کے سکون وراحت حاصل کرنے اور دوزخ سے بچنے کے لئے انفرادی طور پر بھی محنت کرنی ہے-

ذکرِ الٰہی سکون قلب کا واحد ذریعہ ہے

روئے زمین پر رہنے والا ہر فرد و بشر حقیقی خوشی کا متلاشی ہے- اس کی تمام امیدیں اسی نقطے پر مرکوز رہتی ہیں- بعض لوگ مال و دولت میں خوشی تلاش کرتے ہیں' بعض باوقار پیشہ ورانہ زندگی (CAREER) میں' بعض اچھی شادی میں اور بعض پلاسٹک سرجری کے ذریعہ اپنے اعضا کو بہتر بنا لینے میں خوشی مضمر پاتے ہیں جبکہ بعض کسی کالج میں داخلے میں خوشی تلاش کرتے ہیں- جب یہ مقاصد حاصل ہو جاتے ہیں تو انہیں اس سے جو خوشی ملتی ہے وہ بالعموم عارضی نوعیت کی ہوتی ہے- زیادہ تر یہ دیکھا گیا ہے کہ ان مقاصد کی تکمیل سے کوئی خوشی یا طمانیت حاصل نہیں ہوتی - تاہم صفحۂ ہستی پر کوئی ایسا شخص نہیں جسے ان چیزوں سے حقیقی اطمینان یا سکون نصیب ہوا ہو- اگر کوئی ایسا آدمی نکل بھی آئے جو یہ دعویٰ رکھتا ہو کہ اس نے ان چیزوں سے مکمل سکون قلب حاصل کر لیا ہے' تو اسے پریشانی میں مبتلا کرنے والی اور بہت سی چیزیں نکل آتی ہیں-

حقیقی خوشی' حقیقی طمانیت' سکون اور راحت صرف اور صرف خدا کو یاد کرنے سے حاصل ہو سکتی ہے- خدا نے یہ بات اپنی مقدس کتاب قرآن مجید کی اس آیت میں فرمائی ہے:

﴿اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ تَطْمَئِنُّ قُلُوْبُهُمْ بِذِكْرِ اللّٰهِ الا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ ؀﴾ (سورۃ الرعد : ۲۸)

''وہ جنہوں نے (اس نبیؐ کی دعوت کو) مان لیا ہے اور ان کے دلوں کو اللہ

کی یاد سے اطمینان نصیب ہوتا ہے۔خبردار رہو! اللہ کی یاد ہی وہ چیز ہے
جس سے دلوں کو اطمینان نصیب ہوا کرتا ہے''۔

یہ بہت اہم حقیقت ہے جو خدا نے بنی نوع انسان کو قرآن مجید کے ذریعے بتائی ہے۔اس حقیقت سے ناآشنا لوگوں کی بہت بڑی تعداد نے اپنی زندگیاں اس غلط فہمی میں مبتلا رہ کر گزار دیں کہ دنیاوی مال و متاع اور تحائف وغیرہ انہیں خوشیوں سے ہمکنار کر دیں گے ان کے طرز زندگی کو دیکھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ انہیں کبھی موت نہیں آنی ہے اور نہ کبھی میدان محشر میں حاضر ہونا ہے' وہ لذاتِ دنیا سے متعلقہ اشیا کے لئے دیوانہ وار آگے بڑھ رہے ہیں۔

یہ بہت بڑا مغالطہ ہے۔اس دنیا کا مال و متاع کسی کو بھی حقیقی خوشی اور طمانیت نہیں دے سکتا۔اطمینانِ قلب کی دولت صرف ان اہلِ ایمان کو ملتی ہے جنہوں نے دلی طور پر خدا سے لو لگائی ہوئی ہوتی ہے' جو خدا سے اس کی رحمتوں اور شفقتوں اور تحفظ و سلامتی کے طلب گار رہتے ہیں۔خدا اطمینانِ قلب کی یہ کیفیات اس شخص کو عطا کرتا ہے جو خدا کی تخلیقات کے شواہد کا مطالعہ کرتا ہو اور اپنا سارا وقت اسی کی یاد میں بسر کرتا ہو۔قلب کے اطمینان اور روحانی مسرتوں کے لئے دیگر طریقوں کی تلاش کارِ عبث ہے۔

شیطان کا مکروفریب کمزور ہے

شیطان حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر آج تک انسان کا سب سے بڑا دشمن رہا ہے۔ اس نے تخلیقِ آدم کے موقع پر ہی عہد کر لیا تھا کہ وہ ان کی تمام نسل کو گمراہ کرے گا۔ اس مقصد کے لئے اس نے انسان کو بہلانے پھسلانے کے لئے دنیا کو حسین سے حسین تر دکھانے کی خاطر کئی سکیمیں بنائیں' قرآن اس امر کا انکشاف کرنے کے ساتھ ہمیں یہ بھی بتاتا ہے کہ شیطان کی ساری سکیمیں بہت کمزور ہیں اور یہ بھی کہ انسان پر جبر کرنے کی اس میں کوئی طاقت نہیں:

﴿اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ الطَّاغُوْتِ فَقَاتِلُوْٓا اَوْلِيَآءَ الشَّيْطٰنِ اِنَّ كَيْدَ الشَّيْطٰنِ كَانَ ضَعِيْفًا ۝﴾(سورۃ النساء : ۷۶)

''جن لوگوں نے ایمان کا راستہ اختیار کیا ہے وہ اللہ کی راہ میں لڑتے ہیں اور جنہوں نے کفر کا راستہ اختیار کیا وہ طاغوت کی راہ میں لڑتے ہیں۔ پس شیطان کے ساتھیوں سے لڑو اور یقین جانو کہ شیطان کی چالیں حقیقت میں نہایت کمزور ہیں''۔

﴿وَلَقَدْ صَدَّقَ عَلَيْهِمْ اِبْلِيْسُ ظَنَّهٗ فَاتَّبَعُوْهُ اِلَّا فَرِيْقًا مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝ وَمَا كَانَ لَهٗ عَلَيْهِمْ مِّنْ سُلْطٰنٍ اِلَّا لِنَعْلَمَ مَنْ يُّؤْمِنُ بِالْاٰخِرَةِ مِمَّنْ هُوَ مِنْهَا فِيْ شَكٍّ وَرَبُّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ حَفِيْظٌ ۝﴾

(سورۃ سبا : ۲۰'۲۱)

''ان کے معاملے میں ابلیس نے اپنا گمان صحیح پایا اور انہوں نے اس کی پیروی کی۔ بجز ایک تھوڑے سے گروہ کے جو مومن تھا۔ ابلیس کو ان پر کوئی اقتدار حاصل نہ تھا مگر جو کچھ ہوا وہ اس لئے ہوا کہ ہم یہ دیکھنا چاہتے تھے کہ کون آخرت کا ماننے والا ہے اور کون اس کی طرف سے شک میں پڑا ہوا ہے۔ تیرا رب ہر چیز پر نگران ہے''۔

یہ بالکل سچ ہے کہ شیطان کا مکر و فریب بالکل کمزور ہے اور یہ کہ اسے انسانوں پر کوئی اختیار حاصل نہیں۔ خدا بنی نوع انسان کے لئے آسانیاں پیدا فرما رہا ہے۔ شیطان مذہب کے خلاف صرف ایک منفی قوت ہے' اور اس کی کمزوری کا مطلب یہ ہے کہ اہل ایمان کو اپنے دین کی راہ پر گامزن ہونے یا رہنے میں کوئی دشواری نہیں ہوگی۔ تاہم اس کے لئے ضروری امر خلوصِ ایمانی ہے۔ اللہ تعالیٰ قرآن میں فرماتا ہے کہ خدا پر پختہ یقین رکھنے والوں پر شیطانی حربوں کا کوئی اثر نہیں ہوگا۔

﴿قَالَ رَبِّ بِمَآ اَغْوَيْتَنِيْ لَاُزَيِّنَنَّ لَهُمْ فِي الْاَرْضِ وَ لَاُغْوِيَنَّهُمْ اَجْمَعِيْنَ ٥ اِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِيْنَ﴾

(سورۃ الحجر: ۳۹' ۴۰)

''وہ بولا' میرے رب جیسا کہ تو نے مجھے بہکایا' اسی طرح اب میں زمین میں ان کے لیے دل فریبیاں پیدا کر کے ان سب کو بہکا دوں گا' سوائے تیرے ان بندوں کے جنہیں تو نے ان میں سے خالص کر لیا ہو''۔

ایک اور آیت میں خدا تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے کہ شیطان کو ان اہل ایمان پر کوئی تسلط حاصل نہیں ہوگا جو خدا پر بھروسہ کرتے ہیں:

﴿إِنَّهُ لَيْسَ لَهُ سُلْطَانٌ عَلَى الَّذِينَ آمَنُوا وَعَلَى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُونَ ۝ إِنَّمَا سُلْطَانُهُ عَلَى الَّذِينَ يَتَوَلَّوْنَهُ وَالَّذِينَ هُمْ بِهِ مُشْرِكُونَ ۝﴾

(سورة النحل : ۹۹، ۱۰۰)

''اسے ان لوگوں پر تسلط حاصل نہیں ہوتا جو ایمان لائے اور رب پر بھروسہ کرتے ہیں۔ اس کا زور تو انہی لوگوں پر چلتا ہے جو اس کو اپنا سرپرست بناتے اور اس کے بہکانے سے شرک کرتے ہیں''۔

شیطان کی چالوں اور وسوسوں سے محفوظ رہنے کے طریقے

شیطان اس حقیقت سے آگاہی رکھنے کے باوجود کہ وہ اہل ایمان پر حاوی نہیں ہوسکتا' وہ بعض اوقات ان کے دلوں میں شبہات اور وسوسے ڈالتا ہے' وسوسوں میں مبتلا کرنے میں اسے اس لئے کامیابی حاصل ہوتی ہے کہ ان سے کوئی نہ کوئی غلطی یا گناہ سرزد ہو چکا ہوتا ہے' وہ اسی کے حوالے سے ان پر اپنے دوسرے حربے آزماتا ہے- خداوند تعالیٰ نے مسلمانوں کو اس کے بہکاووں میں آنے سے بچنے کے طریقے بھی بتا دیے ہیں- خدا کا خوف اور اس سے جنت کی امید رکھنے والے اہل ایمان کے لئے یہ نہایت اہم موضوع ہے- کیونکہ شیطان گمراہ کن الفاظ کے ذریعے مومن کو فضول قسم کے مسائل میں الجھا کر خدا سے دور رکھنے کی کوشش کرتا رہتا ہے- وہ ان میں مایوسی' خوف اور پریشانی کے جذبات پیدا کرتا ہے' انہیں آپس میں بھی لڑاتا ہے اور خدا کی ذات قرآن پاک اور دین کے بارے میں بھی ان کے دلوں میں شبہات ڈالتا رہتا ہے- ان کے دلوں میں غلط امیدوں کے چراغ بھی جلاتا ہے:

﴿وَلَاُضِلَّنَّهُمْ وَ لَاُمَنِّيَنَّهُمْ وَلَاٰمُرَنَّهُمْ فَلَيُبَتِّكُنَّ اٰذَانَ الْاَنْعَامِ وَلَاٰمُرَنَّهُمْ فَلَيُغَيِّرُنَّ خَلْقَ اللّٰهِ وَ مَنْ يَّتَّخِذِ الشَّيْطَانَ وَلِيًّا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَقَدْ خَسِرَ خُسْرَانًا مُّبِيْنًا ۝ يَعِدُهُمْ وَ يُمَنِّيْهِمْ وَ مَا يَعِدُهُمُ الشَّيْطَانُ اِلَّا غُرُوْرًا ۝﴾ (سورة النساء: ۱۱۹، ۱۲۰)

''میں انہیں بہکاؤں گا میں انہیں آرزوؤں میں الجھاؤں گا' میں انہیں حکم دوں گا اور وہ میرے حکم سے جانوروں کے کان پھاڑیں گے اور میں

انہیں حکم دوں گا اور وہ میرے حکم سے خدائی ساخت میں ردو بدل کریں گے۔ اس شیطان کو جس نے اللہ کی بجائے اپنا ولی سرپرست بنالیا وہ صریح نقصان میں پڑ گیا۔ وہ ان لوگوں سے وعدہ کرتا ہے اور انہیں امید دلاتا ہے مگر شیطان کے سارے وعدے بجز فریب کے اور کچھ نہیں ہیں''۔

﴿الَّذِیْ یُوَسْوِسُ فِیْ صُدُوْرِ النَّاسِ﴾(سورۃ الناس : ۵)

''وہ لوگوں کے دلوں میں وسوسے ڈالتا ہے''۔

شیطان اہل ایمان کے دلوں میں خواہ کتنے بھی وسوسے ڈالے وہ انہیں خدا کی ہدایت سے محروم نہیں کرسکتا' کیونکہ وہ اسی کے بتائے ہوئے راستے پر چلتے رہیں گے خدا انہیں شیطان کے مکروفریب کے بارے میں مطلع فرماتا ہے:

﴿وَ اِمَّا یَنْزَغَنَّکَ مِنَ الشَّیْطٰنِ نَزْغٌ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ اِنَّهٗ سَمِیْعٌ عَلِیْمٌ ○ اِنَّ الَّذِیْنَ اتَّقَوْا اِذَا مَسَّهُمْ طٰٓئِفٌ مِّنَ الشَّیْطٰنِ تَذَكَّرُوْا فَاِذَا هُمْ مُّبْصِرُوْنَ ○﴾(سورۃ الاعراف : ۲۰۰'۲۰۱)

''اگر کبھی شیطان تمہیں اکسائے تو اللہ کی پناہ مانگو' وہ سب کچھ سننے والا اور جاننے والا ہے۔ حقیقت میں جو لوگ متقی ہیں ان کا حال تو یہ ہوتا ہے کہ کبھی شیطان کے اثر سے کوئی برا خیال اگر چھو بھی جاتا ہے تو فوراً چوکنے ہو جاتے ہیں اور پھر انہیں صاف نظر آنے لگتا ہے کہ ان کے لئے صحیح طریق کار کیا ہے''۔

اس آیت سے سمجھا جاسکتا ہے کہ اہلِ ایمان شیطان کی سرگوشیوں سے چوکنے رہتے ہیں اور فوراً جان لیتے ہیں کہ اس کی کانا پھوسیوں اور وسوسوں کا مقصد کیا ہے؟ وہ جانتے ہیں کہ یہ ازلی دشمن جس راہ پر مجھے ڈالنے کی کوشش کر رہا ہے وہ خدا کا

پسندیدہ راستہ نہیں ہے۔ وہ قنوطیت اور حسرت و یاس جیسے منفی جذبات سے فوراً چھٹکارا پانے کی کوشش کرتے ہیں۔ جب انہیں کوئی ایسی چیز اپنی طرف کھینچ رہی ہو' جسے وہ جانتے ہیں کہ یہ قرآنی اخلاقیات سے متصادم ہے' تو اسے فوراً پہچان لیتے ہیں کہ یہ وسوسۂ شیطانی ہے' اگر ہم نے اس کا اثر قبول کیا تو خدا کی ناراضگی مول لینا پڑے گی۔ چنانچہ وہ اس خیال کو فوراً جھٹک دیتے ہیں اور ان آیاتِ قرآنی کو ذہن میں لاتے ہوئے خدا کی یاد میں محو ہو جاتے ہیں۔

اطاعتِ اکثریت یا صراطِ مستقیم

لوگوں کا گھڑا ہوا یہ عقیدہ بے حد گمراہ کن ہے کہ اکثریت ہمیشہ حق پر ہوتی ہے۔ جب کسی خاص مسئلے یا طرزِ عمل کے صحیح یا غلط ہونے کے بارے میں پوچھا جائے تو عموماً یہی جواب ملتا ہے کہ..... ''اکثر لوگ یہی کچھ کرتے ہیں لیکن خدا ہمیں اپنے کلامِ مجید میں مطلع کرتا ہے کہ اکثریت کی اطاعت کرنا گمراہی ہے''۔

﴿وَاِنْ تُطِعْ اَكْثَرَ مَنْ فِي الْاَرْضِ يُضِلُّوْكَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اِنْ يَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَاِنْ هُمْ اِلَّا يَخْرُصُوْنَ ۝﴾ (سورۃ الانعام: ۱۱۷)

''اور اے نبیؐ اگر تم ان لوگوں کی اکثریت کے کہنے پر چلو جو زمین میں بستے ہیں تو وہ تمہیں اللہ کے راستہ سے بھٹکا دیں گے۔ وہ تو محض گمان پر چلتے اور قیاس آرائیاں کرتے ہیں۔ درحقیقت تمہارا رب زیادہ بہتر جانتا ہے کہ کون اس کے راستے سے ہٹا ہوا ہے اور کون سیدھی راہ پر ہے''۔

ایک اور آیت میں فرمایا گیا ہے کہ اکثریت' دولتِ ایمان سے بہرہ ور نہیں ہو گی:

﴿وَمَا اَكْثَرُ النَّاسِ وَلَوْ حَرَصْتَ بِمُؤْمِنِيْنَ ۝﴾ (سورۃ یوسف: ۱۰۳)

''مگر خواہ تم کتنا ہی چاہو ان میں سے اکثر لوگ مان کر چلنے والے نہیں ہیں''۔

سورۃ مائدہ میں خدا نے ''ناپاک'' کی بہتات کا ذکر کیا اور اہلِ خرد سے کہا کہ وہ اس سے پرہیز کریں:

﴿قُلْ لَّا يَسْتَوِي الْخَبِيْثُ وَالطَّيِّبُ وَلَوْ اَعْجَبَكَ كَثْرَةُ الْخَبِيْثِ فَاتَّقُوا اللّٰهَ يٰٓاُولِي الْاَلْبَابِ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝﴾(سورۃ المائدہ: ۱۰۰)

''اے پیغمبر ان سے کہہ دو کہ پاک اور ناپاک بہر حال یکساں نہیں ہیں' خواہ ناپاک کی بہتات تمہیں کتنا ہی فریفتہ کرنے والی ہو' پس اے لوگو جو عقل رکھتے ہو اللہ کی نافرمانی سے بچتے رہو' امید ہے کہ تمہیں فلاح نصیب ہو گی''۔

ان آیات سے یہ سبق ملتا ہے کہ اکثریت جو کچھ کرتی ہے' جس چیز پر اعتقاد رکھتی ہے یا جن کو بے خطا قرار دیتی ہے وہ ہرگز قابلِ اعتماد ماخذ یا حوالہ نہیں بن سکتے۔ لوگ ''بھیڑ چال والی جبلت'' (Herd instinct) کے تحت ''چلو تم ادھر کو ہوا ہو جدھر کی'' کا رویہ اختیار کرتے ہیں۔ تاہم اہل ایمان' جو قرآنی تعلیمات پر یقین رکھتے ہیں اکثریت کی نہیں بلکہ صرف احکامِ خداوندی کی پیروی کرتے ہیں۔ اگر وہ تنہا بھی رہ جائیں ان کے دلوں میں اپنے عقائد اور اختیار کردہ راہ کے بارے میں کوئی شبہ پیدا نہیں ہوتا۔

نعمتوں میں کمی بیشی کے اسرار و رموز

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ان اسباب کا ذکر فرمایا جن کی بنا پر وہ کسی قوم پر اپنی عنایات کی فراوانی کر دیتا ہے یا اس سے واپس لے لیتا ہے- مثلاً سورۃ انفال کی آیت نمبر ۵۳ میں فرمایا گیا ہے:

﴿ ذَالِکَ بِاَنَّ اللّٰهَ لَمْ یَکُ مُغَیِّرًا نِّعْمَةً اَنْعَمَهَا عَلٰی قَوْمٍ حَتّٰی یُغَیِّرُوْا مَابِاَنْفُسِهِمْ وَاَنَّ اللّٰهَ سَمِیْعٌ عَلِیْمٌ ○ ﴾

''یہ اللہ کی اس سنت کے مطابق ہوا کہ وہ کسی نعمت کو جو اس نے کسی قوم کو عطا کی ہو اس وقت تک نہیں بدلتا جب تک وہ قوم خود اپنے طرز عمل کو نہیں بدل دیتی- اللہ سب کچھ سننے اور جاننے والا ہے''-

اسی طرح سورۃ رعد کی آیت نمبر ۱۱ میں آتا ہے:

﴿لَهٗ مُعَقِّبٰتٌ مِّنْ بَیْنِ یَدَیْهِ وَمِنْ خَلْفِهٖ یَحْفَظُوْنَهٗ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ لَایُغَیِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰی یُغَیِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ وَاِذَآ اَرَادَ اللّٰهُ بِقَوْمٍ سُوْٓءً فَلَا مَرَدَّ لَهٗ وَمَالَهُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ مِنْ وَّالٍ ○ ﴾

''ہر شخص کے آگے اور پیچھے اس کے مقرر کیے نگران لگے ہوئے ہیں جو اللہ کے حکم سے اس کی دیکھ بھال کر رہے ہیں حقیقت یہ ہے کہ اللہ کسی قوم کے حال کو نہیں بدلتا جب تک وہ خود اپنے اوصاف کو نہیں بدل دیتی- اور جب اللہ کسی قوم کی شامت لانے کا فیصلہ کر لے تو وہ پھر کسی کے ٹالے نہیں ٹل سکتی' نہ اللہ کے مقابلے میں ایسی قوم کا کوئی حامی و مددگار ہو سکتا ہے''-

ان آیات میں جو کچھ بیان کیا گیا ہے' یہ بے حد اہم اسرار و رموز میں سے ہے جن سے زیادہ تر لوگ یا تو ناواقف ہیں یا وہ انہیں دیدہ و دانستہ نظر انداز کر دیتے ہیں۔ خدا فرماتا ہے کہ جو لوگ نیک اعمال کریں گے میں ان پر اپنی وافر نعمتیں اتاروں گا' اور جو شر کی راہ اختیار کریں گے میں ان کے لئے نعمتیں محدود کر دوں گا۔ جوں جوں ان کے رویے میں تبدیلی آتی رہے گی اسی کے مطابق نعمتوں کی تعداد میں ردوبدل ہوتا رہے گا۔

جو اہل ایمان اللہ تعالیٰ کی اس حکمت سے آگاہ ہیں وہ اللہ تعالیٰ کی مخلوقات کے تمام امور پر غور کرتے ہیں' اس لئے وہ اپنے موجودہ حالات پر قانع ہو کر نہیں بیٹھ جاتے بلکہ قرآن میں بیان کردہ اصولوں اور تعلیمات کی روشنی میں اپنے اخلاق کو بہتر سے بہتر بنانے کے لئے کوشاں رہتے ہیں۔ اپنی غلطیوں کی تلافی کرتے ہیں اور آئندہ ان سے بچنے کی تدابیر اختیار کرتے رہتے ہیں تاکہ ان پر خدا کی نعمتوں میں اضافہ ہوتا رہے' اور خدا کا فضل و کرم ان کے شامل حال رہے۔

اطاعتِ پیغمبر اطاعتِ خدا ہے

خدا نے اہلِ ایمان کو قرآن میں جن اہم ترین عبادات کا حکم دیا ہے ان میں ایک عبادت اس کے رسولوں کی اطاعت ہے۔ وہ فرماتا ہے کہ اس نے پیغمبر اس لئے بھیجے ہیں کہ ان کی اطاعت کی جائے اور اہلِ ایمان کو اسی اطاعت کے حوالے سے آزمایا گیا ہے۔ انبیاء وہ پاکیزہ نفوس تھے جو بندوں کے پاس خدا کا پیغام اور اس کے احکامات لے کر آئے' جنہوں نے لوگوں کو یومِ حساب سے ڈرایا اور خدا کی نشانیوں سے آگاہ کیا۔ وہ نہایت مخلص' متبرک اور منتخبِ روزگار شخصیات تھے جو اعلیٰ ترین اخلاق اور انتہائی مثالی کردار کے مالک تھے۔ خدا نے انہیں اپنا دوست اور محبوب بنایا جس کی وجہ سے انہیں ہمیشہ خدا کی قربت حاصل رہی چنانچہ ذیل کی آیت میں بتایا گیا ہے کہ انبیاءؑ کی اطاعت' خدا ہی کی اطاعت کے ہم معنی ہے:

﴿مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ وَ مَنْ تَوَلّٰى فَمَآ اَرْسَلْنٰكَ عَلَيْهِمْ حَفِيْظًا ۝﴾ (سورۃ النساء : ۸۰)

''جس نے رسول کی اطاعت کی اس نے دراصل اللہ کی اطاعت کی۔ اور جو منہ موڑ گیا تو بہر حال ہم نے تمہیں ان لوگوں پر پاسبان بنا کر تو نہیں بھیجا''۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا کہ ان لوگوں کے لئے خوشخبری ہے جو اس امر کی شہادت دیں:

''تم اس امر کی گواہی دو کہ خدا کے سوا کوئی معبود نہیں' اور یہ کہ میں اس کا پیغمبر

ہوں' کیا تم اس کی گواہی دیتے ہو؟ اگر ایسا ہے تو تمہارے لئے بہت سی خوشخبریاں ہیں۔ قرآن ایک ایسا رسہ ہے کہ اس کا ایک سرا خدا تک اور دوسرا تم تک پہنچتا ہے اسے مضبوطی سے پکڑو۔ اگر ایسا کرو گے تو کسی غلطی کے گڑھے میں نہیں گرو گے' اور نہ کسی خطرے سے دوچار ہو گے"۔ (رموز الحدیث جلد اول صفحہ ۷)

پیغمبر کی نافرمانی' خدا اور اس کے دین کی براہ راست نافرمانی ہے' یہ بات قرآن میں بتائے ہوئے اہم ترین حقائق میں سے ہے۔ ایک آیت میں اللہ تعالیٰ نے پیغمبرؐ کی اطاعت کرنے والوں اور نافرمانی کرنے والوں کے حالات کا یوں ذکر فرمایا ہے:

﴿تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ وَ مَنْ یُّطِعِ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ یُدْخِلْهُ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِیْنَ فِیْهَا وَ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِیْمُ ٥ وَ مَنْ یَّعْصِ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ وَ یَتَعَدَّ حُدُوْدَهٗ یُدْخِلْهُ نَارًا خَالِدًا فِیْهَا وَ لَهٗ عَذَابٌ مُّهِیْنٌ ٥﴾

(سورة النساء : ۱۳' ۱٤)

"یہ اللہ کی مقرر کی ہوئی حدیں ہیں' جو اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرے گا اسے اللہ ایسے باغوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی اور ان باغوں میں وہ ہمیشہ رہے گا اور یہی بڑی کامیابی ہے اور جو اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے گا اور اس کی مقرر کی ہوئی حدوں سے تجاوز کر جائے گا اسے اللہ آگ میں ڈالے گا جس میں وہ ہمیشہ رہے گا اور اس کے لئے رسوا کن سزا ہے"۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں اطاعتِ رسولؐ کی اور بھی کئی تفاصیل بتائی ہیں جن میں واضح طور پر بتایا گیا ہے کہ صحیح اطاعت اور فرمانبرداری جو اس کی نگاہ میں

قابل قبول ہو، کیسی ہو سکتی ہے؟ جیسا کہ متذکرہ بالا آیات میں بھی ذکر آیا ہے کہ دین کے تمام تقاضے پورے کر دینا اور بہت سی عبادات بجالانا ہی کافی نہیں، اگر کوئی شخص رسول اللہ ﷺ کے بارے میں اس طرز عمل اور اس اخلاق کو ملحوظ نہیں رکھ سکتا جس مفہوم میں اس کا ذکر خدا نے قرآن میں کیا ہے تو اس کی تمام عبادات ناقص اور ادھوری ہوں گی۔ اور عین ممکن ہے کہ خدا انہیں مسترد ہی کر دے۔ اس مسئلے میں آگے کی آیات پر غور فرمایئے۔

☆

مومن ہونے کے لیے اتباعِ رسولؐ شرطِ لازم ہے

اللہ تعالیٰ سورۃ النساء کی آیت نمبر ۶۵ میں فرماتا ہے:

﴿فَلَا وَ رَبِّکَ لَا یُؤْمِنُوْنَ حَتّٰی یُحَکِّمُوْکَ فِیْمَا شَجَرَ بَیْنَھُمْ ثُمَّ لَا یَجِدُوْا فِیْٓ اَنْفُسِھِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَیْتَ وَ یُسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا o﴾

''اے محمدؐ تمہارے رب کی قسم یہ کبھی مومن نہیں ہو سکتے جب تک کہ اپنے باہمی اختلافات میں یہ تم کو فیصلہ کرنے والا نہ مان لیں' پھر جو کچھ تم فیصلہ کرو اس پر اپنے دلوں میں بھی کوئی تنگی محسوس نہ کریں بلکہ سر بسر تسلیم کر لیں''۔

اس آیت میں نبی ﷺ کی مثالی اطاعت کے بارے میں ایک بے حد اہم نکتہ بیان کیا گیا ہے۔ بہت سے لوگ اطاعت کے مفہوم سے آگاہ ہیں لیکن رسولؐ کی اطاعت' تابعداری کی دیگر اقسام سے بالکل مختلف نوعیت کی ہے' جیسا کہ اوپر کی آیت میں خدا تعالیٰ نے فرمایا' اہلِ ایمان کو آپؐ کی اطاعت' دل کی گہرائیوں سے ذرا سا بھی شبہ اور کسی بھی قسم کی ہچکچاہٹ محسوس کیے بغیر کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ اگر کوئی شخص آپؐ کے ارشاد کے صحیح ہونے پر ذرا سا بھی شک محسوس کرے یا اپنے نظریات کو آپؐ کے نظریات کے مقابلے میں صحیح تر گردانتا ہو تو اس آیت کے مطابق وہ صحیح مومن قرار نہیں پاتا۔

صحیح عقیدہ اور صحیح نظریہ رکھنے والے اہل ایمان جانتے ہیں کہ جو کچھ خدا کا رسول ارشاد فرماتا ہے' ان کے لئے بہتر بات وہی ہے' خواہ آپؐ کے الفاظ ان کے

مفاد کے منافی ہوں تب بھی وہ انہیں بڑے اشتیاق اور بڑی عقیدت کے ساتھ کرتے ہیں' یہی کردار سچے ایمان کی نشانی ہے۔ جب اہل ایمان اس جذبۂ ت واحترام کے ساتھ رسول خدا کی اطاعت کرتے ہیں تو انہیں خدا کی جانب باتِ اخروی کی بشارت ملتی ہے' قرآن مجید کی ذیل کی آیات اسی خوشخبری کے میں ہیں:

﴿وَ مَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَ الرَّسُوْلَ فَاُولٰٓـئِکَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَ الصِّدِّيْقِيْنَ وَ الشُّهَدَآءِ وَ الصّٰلِحِيْنَ وَ حَسُنَ اُولٰٓئِکَ رَفِيْقًا ﴾(سورة النساء : ٦٩)

''جولوگ اللہ اور رسولؐ کی اطاعت کریں گے وہ ان لوگوں کے ساتھ ہوں گے جن پر اللہ نے انعام فرمایا ہے' یعنی انبیاءؑ اور صدیقین اور شہداء اور صالحین' کیسے اچھے ہیں یہ رفیق جو کسی کو میسر آئیں''۔

﴿وَ مَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ وَ يَخْشَ اللّٰهَ وَ يَتَّقْهِ فَاُولٰٓـئِکَ هُمُ الْفَآئِزُوْنَ ﴾ (سورة النور : ٥٢)

''جو اللہ اور رسول ﷺ کی فرماں برداری کریں اور اللہ سے ڈریں اور اس کی نافرمانی سے بچیں' کامیاب وہی ہیں''۔

﴿قُلْ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَ اَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا عَلَيْهِ مَا حُمِّلَ وَ عَلَيْكُمْ مَّا حُمِّلْتُمْ وَ اِنْ تُطِيْعُوْهُ تَهْتَدُوْا وَ مَا عَلَى الرَّسُوْلِ اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ﴾ (سورة النور : ٥٤)

''کہو اللہ کے مطیع بنو اور رسول کے تابع فرمان بن کر رہو لیکن اگر تم منہ پھیرتے ہو تو خوب سمجھ لو کہ رسول پر جس فرض کا بار رکھا گیا ہے اس کا ذمہ دار وہ ہے اور تم پر جس فرض کا بار رکھا گیا ہے اس کے ذمہ دار تم ہو۔ اس کی

اطاعت کرو گے تو خود ہی ہدایت پاؤ گے۔ ورنہ رسول ﷺ کی ذمہ داری اس سے زیادہ کچھ نہیں ہے کہ صاف صاف حکم پہنچا دے''۔

جیسا کہ متذکرہ بالا آیات سے ظاہر ہوتا ہے' راہِ ہدایت پر وہی ہوں گے جو رسولؐ کی دل و جان سے اطاعت کریں گے۔ تاریخ کے تمام ادوار میں لوگوں کی آزمائش انبیاء کی اطاعت کے حوالے سے ہی کی جاتی رہی ہے۔ خدا نے اپنے پیغمبروں کا انتخاب ہمیشہ انسانوں میں سے ہی کیا ہے۔ اس ضمن میں بعض تنگ نظر اور غیر دانشمند افراد خود کو اس بات پر امادہ نہ کر سکے کہ اپنے میں سے کسی آدمی کی' یا کسی ایسے آدمی' جوان سے بڑھ کر دولت مند نہ ہو' کی اطاعت کس طرح کی جائے۔ بہر حال خدا نے اپنے رسولوں کا انتخاب کیا' انہیں قوت و نصرت عطا فرمائی اور علم و بصیرت کا خزانہ دیا۔ مختصر یہ کہ معترضین جس چیز کو سمجھنے سے قاصر رہے وہ یہ تھی کہ خدا جس کو بھی چاہتا ہے اسے منتخب کرتا ہے۔ ایک مخلص مومن خلوصِ دل کے ساتھ خدا کے منتخب کردہ رسول کی اطاعت کرتا ہے اور اس کے ساتھ اپنی عقیدت کا اظہار کرتا ہے کیونکہ وہ جانتا ہے کہ وہ جتنی بھی رسول کی اطاعت کرے گا' یہ دراصل خدا کی اطاعت اور بندگی ہوگی۔ جو لوگ خدا کے سامنے اپنا سر جھکاتے اور دین کے احکامات کی پیروی کرتے ہیں وہ اس کے رسول کی بھی اطاعت کرتے ہیں۔ خدا اپنے ان اطاعت گزار بندوں کی کیفیت کو یوں بیان فرماتا ہے:

﴿بَلٰى ۚ مَنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ فَلَهٗۤ اَجْرُهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ ۖ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۝﴾ (سورة البقرة: ۱۱۲)

''حق یہ ہے کہ جو بھی اپنی ہستی کو اللہ کی اطاعت میں سونپ دے اور عملاً نیک روش پر چلے اس کے لئے اس کے رب کے پاس اس کا اجر ہے اور ایسے لوگوں کے لئے کسی خوف یا رنج کا کوئی موقع نہیں''۔

جو لوگ اپنی آوازوں کو نبی ﷺ کی آواز سے اونچی رکھتے ہیں ان کے سارے اعمال ضائع ہو جاتے ہیں:

اس سلسلہ میں اللہ تعالیٰ یوں فرماتا ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَرْفَعُوا أَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ وَلَا تَجْهَرُوا لَهُ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ أَنْ تَحْبَطَ أَعْمَالُكُمْ وَأَنْتُمْ لَا تَشْعُرُونَ ۝ إِنَّ الَّذِينَ يَغُضُّونَ أَصْوَاتَهُمْ عِنْدَ رَسُولِ اللَّهِ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ امْتَحَنَ اللَّهُ قُلُوبَهُمْ لِلتَّقْوَىٰ لَهُمْ مَغْفِرَةٌ وَأَجْرٌ عَظِيمٌ ۝﴾ (سورة الحجرات : ٢،٣)

"اے لوگو! جو ایمان لائے ہو اپنی آواز نبیؐ کی آواز سے بلند نہ کرو اور نہ نبیؐ کے ساتھ اونچی آواز سے بات کرو جس طرح تم آپس میں ایک دوسرے سے کرتے ہو کہیں ایسا نہ ہو کہ تمہارا کیا کرایا سب غارت ہو جائے اور تمہیں خبر بھی نہ ہو۔ جو لوگ رسولِ خدا کے حضور بات کرتے ہوئے اپنی آواز پست رکھتے ہیں وہ درحقیقت وہی لوگ ہیں جن کے دلوں کو اللہ نے تقویٰ کے لئے جانچ لیا ہے' ان کے لئے مغفرت ہے اور اجرِ عظیم"۔

خدا کے پیغمبر اہل ایمان کو ہمیشہ صحیح اور خوبصورت ترین راستے کی طرف بلاتے ہیں' اس میں ایسے اوقات بھی آتے ہیں جن میں پیغمبروں کی دعوت' گردو پیش کے لوگوں کے مفادات سے متصادم ہو جاتی ہے تاہم پیغمبر پر ایمان لانے والے اور ان کی اطاعت کا دم بھرنے والے افراد اپنی من مانی کرنے کی بجائے' خدا' اس کے رسولؐ اور قرآن کے احکامات کے سامنے سرِ تسلیم خم کر دیتے ہیں۔ دوسری جانب کمزور ایمان والے لوگ یا وہ لوگ جو اپنی خواہشاتِ نفس کو قابو میں نہیں رکھ سکتے' نافرمانی کی

راہ اختیار کر لیتے ہیں' یا بوجہ کمزوریٔ ایمان پیغمبر کی دعوت پر لبیک کہنے سے قاصر رہتے ہیں- جیسا کہ متذکرہ بالا آیت میں بیان کیا گیا ہے کہ ان کی آوازیں' تقریریں اور ان کے الفاظ' ان کے دلوں میں چھپی ہوئی بیماری اور ان کی کمزوریٔ ایمان کا اظہار کر دیتے ہیں- اس امر کا امکان بھی ہوتا ہے کہ وہ اپنی حماقت کی وجہ سے پیغمبرؐ کے ارشادات کی مخالفت پر کمربستہ ہو جائیں اور اونچی آواز میں بولنے لگیں- خدا انہیں خبردار کرتا ہے کہ ایسا کرنے والوں کے اعمال اکارت ہو جائیں گے- ان لوگوں پر یہ بھی واضح کر دیا گیا ہے کہ ایسے لوگوں کی تمام مساعی جو وہ تبلیغ دین کے لئے صبح شام بروئے کار لاتے رہتے ہیں' اس نافرمانیٔ پیغمبر کی بنا پر ضائع ہو جائیں گی-

یہ بہت اہم حقیقت ہے جس کا متعدد آیات میں اظہار کیا گیا ہے- خدا نے مسلمانوں کو نیک اعمال کرنے' اسلام کے اجتماعی کاموں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لینے' قرآن میں بتائے ہوئے اخلاقی ضابطوں کی سختی سے پیروی کرنے' فیاضی کرنے' استقامت کا مظاہرہ کرنے' رواداری اور صبر و برداشت کا رویہ اختیار کرنے' حق و صداقت کا علم بلند رکھنے اور مذہب کے وفادار رہنے کی تلقین کی ہے- بلاشبہ یہ سب اعمال عبادت ہی کی مختلف اشکال ہیں جو اگلے جہان میں بہت کام آئیں گے- تاہم جیسا کہ ہم سورۃ الحجرات میں دیکھ چکے ہیں' پیغمبر خدا کے بارے میں ذرا سا بھی منافیٔ ادب رویہ کسی بھی شخص کے تمام اعمالِ صالحہ کے ضائع ہو جانے کا سبب بن سکتا ہے- بلاشبہ ان آیات نے ہمیں ایک بار پھر یہ یاد دلایا ہے کہ پیغمبر خدا کی اطاعت کرنا اور ان کا احترام کرنا کتنا اہم معاملہ ہے-

خدا' رسولؐ کی اطاعت نہ کرنے والوں کی طاقت سلب کر دیتا ہے:

قرآن مجید میں طالوت اور ان کی فوج کا جو واقعہ بیان کیا گیا ہے ہمیں وہ بھی

خدا کے رسول کی اطاعت کی اہمیت سے آگاہ کرتا ہے۔ قرآن بتاتا ہے کہ جب طالوت اپنی فوج لے کر دشمن کی طرف روانہ ہوئے تو انہوں نے اپنے آدمیوں کو راستے میں آنے والے دریا میں سے پانی پینے سے منع فرما دیا۔ آگے اس کی تفصیل قرآن میں دیکھئے:

﴿فَلَمَّا فَصَلَ طَالُوتُ بِالْجُنُودِ قَالَ إِنَّ اللّٰهَ مُبْتَلِيكُمْ بِنَهَرٍ فَمَنْ شَرِبَ مِنْهُ فَلَيْسَ مِنِّي وَمَنْ لَّمْ يَطْعَمْهُ فَإِنَّهُ مِنِّي إِلَّا مَنِ اغْتَرَفَ غُرْفَةً بِيَدِهِ فَشَرِبُوا مِنْهُ إِلَّا قَلِيلًا مِّنْهُمْ فَلَمَّا جَاوَزَهُ هُوَ وَالَّذِينَ آمَنُوا مَعَهُ قَالُوا لَا طَاقَةَ لَنَا الْيَوْمَ بِجَالُوتَ وَجُنُودِهِ قَالَ الَّذِينَ يَظُنُّونَ أَنَّهُمْ مُّلٰقُوا اللّٰهِ كَمْ مِّنْ فِئَةٍ قَلِيلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً كَثِيرَةً بِإِذْنِ اللّٰهِ وَاللّٰهُ مَعَ الصَّابِرِينَ ۝﴾ (سورة البقرة : ۲۴۹)

''پھر جب طالوت لشکر لے کر چلا تو اس نے کہا: ''ایک دریا پر اللہ کی طرف سے تمہاری آزمائش ہونے والی ہے جو اس کا پانی پیئے گا وہ میرا ساتھی نہیں۔ میرا ساتھی وہ ہے جو اس سے پیاس نہ بجھائے۔ ہاں ایک آدھ چلو کوئی پی لے' مگر ایک گروہ قلیل کے سوا سب اس دریا سے سیراب ہوئے۔ پھر جب طالوت اور اس کے ساتھی مسلمان دریا پار کر کے آگے بڑھے تو انہوں نے طالوت سے کہہ دیا کہ آج ہم میں جالوت اور اس کے لشکروں کا مقابلہ کرنے کی طاقت نہیں لیکن جو لوگ یہ سمجھتے تھے کہ انہیں ایک دن اللہ سے ملنا ہے' انہوں نے کہا: ''بارہا ایسا ہوا ہے کہ ایک قلیل گروہ اللہ کے اذن سے بڑے گروہ پر غالب آ گیا ہے۔ اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے''۔

جیسا کہ اس آیت سے ظاہر ہوتا ہے' جو لوگ طالوت کی نافرمانی کے مرتکب

ہوئے' کمزور پڑ گئے اور جنہوں نے فرمانبرداری کی خدا نے انہیں طاقت عطا فرمادی اور وہ تائیدایزدی سے' تعداد میں کم ہونے کے باوجود دشمن پر غالب آ گئے- خدا نے اس آیت کے ذریعہ مسلمانوں کو ایک بار پھر اس راز سے آگاہ کر دیا ہے کہ قوت' فتح یابی اور برتری کا انحصار مال و دولت حیثیت و مرتبے' اور عددی اکثریت و برتری وغیرہ پر نہیں ہے- جو کوئی بھی حدود اللہ کا احترام کرتا ہے' اس کے احکامات کی پابندی اور نبی کی اطاعت کرتا ہے تو خدا اسے دوسروں پر غالب کر دیتا ہے- اسے عقل و دانش' صحت و تندرستی خوبصورتی اور مال و دولت بھی عطا کرتا ہے اور رسولوں کے دوش بدوش خدا کی راہ میں جدوجہد کرنے پر آخرت میں بھی ہمیشہ کے لئے جنت میں رہے گا-

کفار کی اکثریت پر کیسے غلبہ پایا جا سکتا ہے

خدا کے معجزات میں سے ایک معجزہ یہ ہے کہ اہل ایمان نے ہمیشہ اقلیت میں ہونے کے باوجود اپنے رب کی تائید سے اپنے مخالفین کی بھاری تعداد کو شکست دی ہے- یہ ایک انتہائی اہم حقیقت ہے جس کا قرآن کی کئی آیات میں ذکر آیا ہے- کفار اس سلسلے میں ہمیشہ مغالطے میں پڑے رہے ہیں- جیسا کہ ہم نے قصۂ طالوت میں دیکھا ہے کہ خدا نے اہل ایمان کو تعداد کے لحاظ سے بہت کم ہونے کے باوجود محض اس لئے فتح سے ہمکنار کیا کہ وہ اطاعت گزار تھے خدا نے قرآن میں قصۂ طالوت کو ان الفاظ سے مکمل کیا:

﴿كَم مِّن فِئَةٍ قَلِيلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً كَثِيرَةًۢ بِإِذْنِ ٱللَّهِ وَٱللَّهُ مَعَ ٱلصَّٰبِرِينَ ۝﴾ (سورۃ البقرہ : ۲۴۹)

”کتنی ہی بار ایسا ہوا ہے کہ ایک گروہ قلیل اللہ کے اذن سے ایک گروہ کثیر پر غالب آ گیا' اللہ صبر کرنے والوں کا ساتھی ہے“-

اہل ایمان کی قوت' صبر و استقامت کا نتیجہ ہوتی ہے:

جیسا کہ میں اس کتاب میں اکثر زور دیتا رہا ہوں بے شمار قرآنی آیات میں متعدد اہم راز پوشیدہ ہیں' جن میں سے ایک' ثابت قدمی کے سلسلے میں ہے- خدا ہمیں خوشخبری سناتا ہے کہ جو لوگ ثابت قدم رہیں گے غالب رہیں گے- یہ بات ذہن نشین رکھئے کہ ساری قوت کا مالک اللہ تعالیٰ ہے' حتیٰ کہ جو شخص خدا کا مخالف ہے' اس کی قوت بھی درحقیقت اللہ کی دی ہوئی ہے- خدا کسی فرد کو جو اہلیتیں اور صلاحیتیں دیتا

ہے اس کا مقصد اس کی اور اس کے گرد وپیش کے افراد کی آزمائش کرنا ہوتا ہے- اسی طرح وہ ان صلاحیتوں کو جب چاہتا ہے' آسانی سے واپس بھی لے لیتا ہے- خدا ہمیں مطلع فرماتا ہے کہ صبر واستقامت کا مظاہرہ کرنے والے قوی ہو جائیں گے' یعنی وہ ان کی نصرت کرے گا- مثلاً سورہ آلِ عمران کی اس آیت پر غور کیجئے:

﴿بَلٰٓى اِنْ تَصْبِرُوْا وَ تَتَّقُوْا وَ يَاْتُوْكُمْ مِّنْ فَوْرِهِمْ هٰذَا يُمْدِدْكُمْ رَبُّكُمْ بِخَمْسَةِ اٰلَافٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُسَوِّمِيْنَ ۝﴾ (سورة ال عمران : ١٢٥)

''بے شک اگر تم صبر کرو اور خدا سے ڈرتے ہوئے کام کرو تو جس آن دشمن تمہارے اوپر چڑھ کر آئیں گے اسی آن تمہارا رب پانچ ہزار صاحبِ نشان فرشتوں سے تمہاری مدد کرے گا''-

اس آیت میں بتایا گیا ہے کہ اگر اللہ چاہے تو وہ غیر محسوس طریقوں سے بھی لوگوں کو فتح سے ہمکنار کر سکتا ہے- مثال کے طور پر دین کی سربلندی کے لئے جدوجہد کرنے والے شخص کو اللہ انتہائی لطیف انداز میں اس طرح بھی مدد دے سکتا ہے کہ اس کی تقریر کو اتنی پرتاثیر بنا دے کہ وہ سامعین کے دلوں کو موہ لے اور سب لوگ فوراً اللہ کی طرف رجوع کر لیں- حاصل کلام یہ ہے کہ جب تک اللہ نہ چاہے نہ تو میدان جنگ میں فتح حاصل ہو سکتی ہے اور نہ سننے والوں کے دل مطلوبہ سمت اختیار کر سکتے ہیں- تمام کامیابیوں' کامرانیوں اور اثر انگیزیوں کا مالک وہی ذاتِ ذوالجلال والاکرام ہے- بندوں کا کام صرف اس کے احکامات کی تعمیل کرنا اور اس کی مقرر کردہ حدود کے اندر رہنا ہے- دو دیگر آیات میں خدا نے اہلِ ایمان کو تقویت حاصل کرنے کے مزید طریقوں سے آگاہ کیا ہے:

﴿يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ حَرِّضِ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلَى الْقِتَالِ اِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ عِشْرُوْنَ صٰبِرُوْنَ يَغْلِبُوْا مِائَتَيْنِ وَ اِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ مِّائَةٌ يَّغْلِبُوْٓا اَلْفًا مِّنَ الَّذِيْنَ

کَفَرُوْا بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ ○ اَلْـٰٔنَ خَفَّفَ اللّٰهُ عَنْكُمْ وَ عَلِمَ اَنَّ فِيْكُمْ ضَعْفًا فَاِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ مِّائَةٌ صَابِرَةٌ يَّغْلِبُوْا مِائَتَيْنِ وَ اِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ اَلْفٌ يَّغْلِبُوْٓا اَلْفَيْنِ بِاِذْنِ اللّٰهِ وَاللّٰهُ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ ○

(سورۃ الانفال : ٦٥،٦٦)

''اے نبیؐ! مومنوں کو جنگ پر ابھارو- اگر تم میں سے بیس (۲۰) آدمی صابر ہوں تو وہ دوسو (۲۰۰) پر غالب آئیں گے اور اگر سو (۱۰۰) آدمی ایسے ہوں تو منکرین حق میں سے ہزاروں آدمیوں پر بھاری رہیں گے- کیونکہ وہ ایسے لوگ ہیں جو سمجھ نہیں رکھتے- اچھا اب اللہ نے تمہارا بوجھ ہلکا کیا اور اسے معلوم ہوا کہ ابھی تم میں کمزوری ہے' پس اگر تم میں سے سو آدمی صابر ہوں تو وہ دوسو پر اور ہزار آدمی ایسے ہوں تو دو ہزار پر اللہ کے حکم سے غالب آئیں گے اور اللہ ان لوگوں کے ساتھ ہے جو صبر کرنے والے ہیں''-

جیسا کہ خدا نے ان آیات میں فرمایا ہے کہ اگر اہل ایمان میں خود کوئی کمزوری نہ ہو اور اپنے صبر و استقامت اور عقیدے میں مضبوط ہوں تو ایک مومن ان کے دس افراد کے برابر ہو سکتا ہے- اس سیاق و سباق میں لفظ ''طاقت و مضبوطی'' سے جسمانی قوت کے علاوہ کچھ اور چیز بھی مراد ہے- مثال کے طور پر ایک مومن' اسلام کی تبلیغ اور خدا کی طرف دعوت دینے کے لئے جتنی مساعی بروئے کار لاتا ہے وہ دس افراد کی مجموعی کوششوں کے برابر بھی ہو سکتی ہیں- یا یہ مفہوم بھی لیا جا سکتا ہے کہ ایک مومن کا علم ''۱۰'' افراد کے علم کے مساوی ہو سکتا ہے- خدا کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے ایک مومن کا کام اتنا اثر انگیز ہو سکتا ہے کہ وہ دس افراد کے مجموعۂ کارکردگی کے برابر ہو- ایک اکیلا مومن' دس راہ گم کردہ کفار کو خدا کی راہ پر لا سکتا ہے اور ان کا

عقیدہ درست ہو جانے کا ذریعہ بن سکتا ہے۔ ایک واحد مومن کفر کے اس جال کے تانے بانے کو بکھیر سکتا ہے جو دس افراد نے مل کر بنا ہو اور اس کی جگہ حق و صداقت کو تسلیم کرا سکتا ہے۔

قرآن میں بیان کردہ' یہ حقیقت بڑی اہمیت کی حامل ہے۔ کیونکہ اگر تمام مسلمان صراطِ مستقیم کی طرف بڑھنے کے لئے ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کی مساعی شروع کر دیں تو خدا ان کے شروع کئے ہوئے ہر معاملے میں انہیں فتح و کامرانی سے سرفراز کرے گا۔ مثال کے طور پر اگر ساری دنیا کفر ہی سے بھری ہوئی ہو' اور دنیا بھر کی یونیورسٹیوں کے ملحد و بے دین پروفیسر' ہر ملک کے لوگوں کو دعوتِ کفر دینے میں مصروف ہو جائیں تو خدا مسلمانوں کے ایک چھوٹے سے گروہ کو بھی یہ صلاحیت اور قوت عطا کر سکتا ہے کہ وہ سب کو سیدھی راہ کی طرف بلا لیں گے۔ خدا اہلِ ایمان کے معاملات کو آسان اور اہل کفر کے لئے ان کے معاملات کو مشکل بنا سکتا ہے۔ اس لئے جو اہلِ ایمان اس حقیقت سے باخبر ہیں انہیں اپنی کوششوں کو حقیر نہیں جاننا چاہیے اور یہ نہیں کہنا چاہیے کہ ''کیا میری کوششیں صورت حال کو تبدیل کر سکتی ہیں؟'' بلکہ یہ یقین رکھنا چاہیے کہ میں حق تعالیٰ کی خوشنودی کے لئے جو مساعی کر رہا ہوں خدا ان میں برکت ڈالے گا اور کامیابی سے ہمکنار کرے گا۔ وجودِ باری تعالیٰ کے بارے میں ایک مختصر سی تقریر' لوگوں کو دعوت الی اللہ دینے کے چند جملے' یا قرآن کی اخلاقی اقدار کی ترویج کے لئے کوئی عملی اقدام لوگوں کو راہ نجات دکھا سکتا ہے ان کے دلوں میں خدا کی محبت کی شمع روشن کر سکتا ہے اور خوفِ آخرت پیدا کرنے کا سبب بن سکتا ہے۔ ہمیں یہ بات اچھی طرح ذہن نشین کر لینی چاہیے کہ اس دنیا میں اسباب و نتائج کے جو رشتے قائم ہیں یا جن قوانین کی فرمانروائی دکھائی دے رہی ہے' یہ سب کچھ وہی ہے جو خدا نے قرآن میں بیان فرما دیا ہے۔ جو شخص بھی قرآنی سوچ رکھتا ہو وہ

آفرینشِ کائنات کے حقائق کو سمجھ سکتا ہے' اور خدا کا فضل و کرم شامل حال ہو تو وہ کسی بھی ملحد و بے دین شخص سے کہیں زیادہ دانش اور قوت حاصل کر سکتا ہے خدا نے سچے دل سے ایمان لانے والوں کو یہ خوشخبری دے رکھی ہے کہ وہ اگر اپنے ایمان کو مضبوط بنا لیں تو انہیں بے دین لوگوں پر غلبہ حاصل رہے گا:

﴿وَ لَا تَهِنُوْا وَ لَا تَحْزَنُوْا وَ اَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝﴾

(سورۃ ال عمران : ۱۳۹)

''دل شکستہ نہ ہو غم نہ کرو' تم ہی غالب رہو گے اگر تم مومن ہو''۔

مندرجہ بالا آیات کے مطابق فتح یاب ہونے اور دنیا و آخرت میں سر بلند رہنے کے لئے شرط پختگیٔ ایمان ہے' اس مسئلے کے بارے میں ایک اور حقیقت یہ بتائی گئی ہے کہ خدا کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرایا جائے۔ یعنی مسلمانوں کو توحیدِ خالص کے علمبردار بن کر رہنا چاہیے۔

سربلندیٔ دین اور توحیدِ باری تعالیٰ

اس زندگی میں مسلمانوں کے اہم ترین مقاصد میں سے ایک یہ بھی ہے کہ وہ دنیا میں قرآنی اخلاق و کردار پھیلائیں تاکہ لوگ اس طرح خدا کی عبادت کریں جیسا کہ اس کا حق ہے۔ چنانچہ قرآن میں خدائے تعالیٰ نے اہلِ ایمان کو اس مقصد کے حصول کا یہ طریقہ بتایا ہے:

﴿وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَ لَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِي ارْتَضٰى لَهُمْ وَ لَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا يَعْبُدُوْنَنِيْ لَا يُشْرِكُوْنَ بِيْ شَيْئًا وَّ مَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ﴾ (سورۃ النور: ۵۵)

''اللہ نے وعدہ فرمایا ہے تم میں سے ان لوگوں کے ساتھ جو ایمان لائیں اور نیک عمل کریں کہ وہ ان کو اسی طرح زمین میں خلیفہ بنائے گا جس طرح ان سے پہلے گزرے ہوئے لوگوں کو بنا چکا ہے۔ ان کے لئے ان کے اس دین کو مضبوط بنیادوں پر قائم کر دے گا جسے اللہ تعالیٰ نے ان کے حق میں پسند کیا ہے اور ان کی (موجودہ) حالتِ خوف کو امن سے بدل دے گا' بس وہ میری بندگی کریں اور میرے ساتھ کسی کو شریک نہ کریں۔ اور جو اس کے بعد کفر کرے تو ایسے ہی لوگ فاسق ہیں''۔

اہل ایمان پر اس حقیقت کو واضح کر دینے کے بعد' خدا دنیا بھر میں قرآنی

اقدار کو اس وقت قائم کرے گا جب لوگ صرف خدا کی عبادت کریں اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ سمجھیں' یہ حقیقت اس لئے اہمیت رکھتی ہے کیونکہ اس سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ دنیا بھر میں قرآنی تعلیمات کو عام کرنا اور پھیلانا' ہر فرد کی ذمہ داری ہے۔ جب معاملہ یہ ہے تو ہر باشعور مومن کو خدا کے ساتھ کسی کو بھی شریک ٹھہرانے سے مکمل اجتناب کرنا چاہیے۔ یہ بات ہر چیز سے زیادہ اہمیت رکھتی ہے۔ خدا کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرانا ایک ناقابل معافی گناہ ہے' ایسا کرنے والوں کا ٹھکانہ جہنم ہو گا۔ تاہم اکثر لوگوں کا خیال ہے کہ شرک کا تعلق صرف بتوں کی پوجا سے ہے اس کے سوا اور کوئی چیز شرک نہیں ہے لیکن لوگوں کو خفیہ بت پرستی سے بھی آگاہ رہنا چاہئے۔ خفیہ بت پرستی یہ ہے کہ ایک شخص خدا پر ایمان کا اقرار تو کرے' اسے واحد معبود' واحد خالق اور لائق عبادت بھی مانے' لیکن اس کے ساتھ کسی اور کو بھی ایسی ہستی مانے جس سے ڈرا جانا چاہیے' دوسری ہستیوں کی بھی خوشنودی حاصل کرنے اور ان سے مدد مانگنے کو زیادہ اہم سمجھے اپنی تجارت اپنے خاندان اور اپنے آباؤ اجداد کو خدا سے زیادہ اہمیت دے اور انہی کی طرف رجوع کرنے کے لئے کوشاں رہے۔ یہ واضح طور پر شرک ہے۔

قرآن میں صحیح عقیدے کی جو توضیح کی گئی ہے اس میں کہا گیا ہے کہ بندے کو خدا کی خوشنودی کو ہر خوشنودی سے بالاتر سمجھنا چاہیے خدا کے سوا کسی اور سے اظہارِ عقیدت' خدا کی ناراضگی مول لینے کے مترادف ہے۔ جو لوگ خدا کے سوا دوسروں سے رحمتوں اور برکتوں کے طلب گار رہتے ہوں اور انہی کو اپنے محافظ و ضامن سمجھتے ہوں' درحقیقت وہ بھی بت پرست ہی قرار پاتے ہیں۔ سب کا حقیقی خالق و مالک' محافظ اور روزی رساں اللہ ہے وہی بیماریوں سے شفا دیتا ہے اور ہر ضرورت کو پوری کرتا ہے۔ اگر وہ چاہتا ہے تو مریض کو ڈاکٹر کے ہاتھ سے شفا دلاتا ہے۔ اس مفہوم

کے لحاظ سے اگر کوئی شخص ڈاکٹر کو واحد شفا دہندہ سمجھے تو یہ ایک غیر منطقی بات ہوگی۔ کیونکہ جب تک خدا نہ چاہے' مریض کو ڈاکٹر کے ہاتھ سے شفا نہیں مل سکتی۔ جس شخص کی صحت ڈاکٹر کے علاج سے بہتر ہوئی ہو اسے اس ڈاکٹر کو ایسا شخص سمجھنا چاہیے جس کے ہاتھ سے خدا نے اس کی صحت بحال کرائی ہے' اس لحاظ سے وہ ڈاکٹر کا احترام کرے اصل شفا دہندہ خدا ہے' اس لئے ہمیں اس کا شکر گزار ہونا چاہیے۔ اس کے برعکس طرزِ عمل ڈاکٹر کو خدا کے ساتھ شریک سمجھنا قرار پائے گا۔ خدا کی کوئی صفت کسی انسان کے ساتھ منسوب نہیں کی جانی چاہیے لہٰذا تمام مسلمانوں کو خفیہ بت پرستی سے بھی بچنا چاہیے' اور خدا کے سوا کسی کو اپنا حقیقی دوست' پردہ دار یا محافظ نہیں سمجھنا چاہیے۔

چند روزہ زندگی

انسانوں کی اکثریت' اس دنیا کے ساتھ اتنے گہرے طور پر وابستہ ہے کہ گویا' موت کبھی آنی ہی نہیں۔ اس لئے لوگ دین کے مطابق زندگی گزارنے' موت پر غور کرنے اور آخرت کو یاد کرنے سے گریز کا رویہ اختیار کرتے ہیں تاہم کسی کو اس حقیقت سے مجالِ انکار نہیں کہ جس زندگی کے ساتھ وہ اتنی سختی سے وابستہ ہیں وہ بہت مختصر اور عارضی ہے۔ جن لوگوں کو عمرِ دراز نصیب ہوتی ہے وہ بھی جانتے ہیں کہ ہمیں یک دن موت کا ذائقہ ضرور چکھنا ہے۔ فردتو فرد رہا' اس دنیا کی اپنی زندگی بھی اتنی ہی نہیں جتنی کہ محسوس ہوتی ہے۔ خدا نے قرآن مجید میں اس حقیقت کا اظہار کئی آیات میں کیا ہے:

﴿قٰلَ كَمْ لَبِثْتُمْ فِي الْاَرْضِ عَدَدَ سِنِيْنَ ٥ قَالُوْا لَبِثْنَا يَوْمًا اَوْ بَعْضَ يَوْمٍ فَسْئَلِ الْعَآدِّيْنَ ٥ قٰلَ اِنْ لَّبِثْتُمْ اِلَّا قَلِيْلًا لَّوْ اَنَّكُمْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ٥ اَفَحَسِبْتُمْ اَنَّمَا خَلَقْنٰكُمْ عَبَثًا وَّ اَنَّكُمْ اِلَيْنَا لَا تُرْجَعُوْنَ ٥﴾

(سورة المومنون : ۱۱۲ تا ۱۱۵)

''پھر اللہ ان سے پوچھے گا'' زمین میں تم کتنے سال رہے''؟ وہ کہیں گے'' ایک دن یا دن کا بھی کچھ حصہ ہم وہاں ٹھہرے رہے۔ شمار کرنے والوں سے پوچھ لیجئے'' ارشاد ہوگا'' تھوڑی ہی دیر ٹھہرے ہوناں' کاش تم نے یہ اس وقت جانا ہوتا کیا تم نے یہ سمجھ رکھا تھا کہ ہم نے تمہیں فضول ہی پیدا کیا ہے اور تمہیں ہماری طرف کبھی پلٹنا ہی نہیں ہے''۔

﴿ وَ يَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ يُقْسِمُ الْمُجْرِمُوْنَ مَا لَبِثُوْا غَيْرَ سَاعَةٍ كَذٰلِكَ كَانُوْا يُؤْفَكُوْنَ ۝ ﴾ (سورۃ الروم : ۵۵)

"اور جب وہ ساعت برپا ہوگی تو مجرم قسمیں کھا کھا کر کہیں گے کہ ہم ایک گھڑی بھر سے زیادہ نہیں ٹھہرے ہیں اسی طرح وہ دنیا کی زندگی میں دھوکہ کھایا کرتے تھے"۔

یہ اوپر کے مکالمات ان لوگوں کے مابین ہوں گے جنہیں حساب و کتاب کے لئے لایا گیا ہوگا۔ ان مکالمات سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ موت کے بعد انسانوں کو ایسا لگے گا کہ وہ بہت ہی مختصر عرصہ دنیا میں ٹھہرے تھے یعنی وہ زمانہ جو دنیاوی زندگی کی چھ یا سات دہائیوں پر مشتمل ہوتا ہے درحقیقت اتنا مختصر ہے جیسے وہ ایک ہی دن یا اس سے بھی مختصر قیام تھا۔ یہ ایسا ہی ہے جیسے کوئی شخص یہ فرض کرلے کہ اس نے خواب میں کئی دن، کئی مہینے اور کئی سال گزار دیے۔ لیکن آنکھ کھلنے پر اسے محسوس ہوتا ہے کہ اس نے تو صرف چند منٹ تک خواب دیکھا تھا۔

کچھ غور و فکر کے بعد انسان اس دنیا کی زندگی کی مختصر اور عارضی نوعیت کا ادراک کرلیتا ہے، مثال کے طور پر ہر شخص اپنی زندگی کے لئے بعض منصوبے بناتا ہے اور مقاصد متعین کرتا ہے۔ یہ منصوبے اور مقاصد کبھی ختم نہیں ہوتے، بلکہ ایک دوسرے کا پیچھا کرتے رہتے ہیں، مثلاً ایک شخص ہائی سکول کی تعلیم سے فراغت کے بعد، یونیورسٹی میں داخلہ لیتا ہے اور بعدازاں کسی کمپنی میں ملازمت کرنے لگتا ہے۔ تاہم یہ جلدی جلدی طے ہوجانے والے مراحل ہوتے ہیں۔ بچپن میں کوئی شخص اپنے تیس سال کو پہنچ جانے کا بمشکل ہی تصور کرتا ہے، تاہم زیادہ عرصہ نہیں گزرتا کہ وہ چالیس سال کا ہوچکا ہوتا ہے۔

دنیا کی زندگی کا مختصر ہونا ایک حقیقت ہے جس کی طرف قرآن نے انسان کی

توجہ دلائی ہے۔کوئی بھی شخص اپنی موت سے پہلے پہلے اس کے مختصر ہونے کا ادراک کرسکتا ہے-اور جو لوگ اس حقیقت کو پالیں تو ان کے لئے یہ بڑی غیر دانشمندانہ بات ہوگی کہ وہ اس عارضی حیات کے بعد آنے والی بے انتہا طویل اور حقیقی زندگی سے غافل ہو جائیں-قرآن مجید کی بعض آیات میں بنی نوع انسان کو اس زندگی کے مختصر ہونے کی طرف خاص طور پر متوجہ کیا گیا ہے' مثلاً:

﴿ يٰقَوْمِ اِنَّمَا هٰذِهِ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا مَتَاعٌ وَّ اِنَّ الْاٰخِرَةَ هِيَ دَارُ الْقَرَارِ ۝ ﴾

(سورۃ المومن : ۳۹)

''یہ دنیا کی زندگی چند روزہ ہے' ہمیشہ کے قیام کی جگہ آخرت ہے''-

﴿ اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ يُحِبُّوْنَ الْعَاجِلَةَ وَ يَذَرُوْنَ وَرَآءَهُمْ يَوْمًا ثَقِيْلًا ۝ ﴾

(سورۃ الدھر : ۲۷)

''یہ لوگ تو جلدی حاصل کرنے والی چیز (دنیا) سے محبت رکھتے ہیں اور آگے جو بھاری دن آنے والا ہے اسے نظر انداز کردیتے ہیں''-

خدا کفار کے دلوں پر رعب ڈال دیتا ہے

متعدد آیاتِ قرآنی میں آیا ہے کہ خدا کفار کے دلوں پر رعب طاری کر دیتا ہے:

﴿اِذْ یُوْحِیْ رَبُّکَ اِلَی الْمَلٰٓئِکَۃِ اَنِّیْ مَعَکُمْ فَثَبِّتُوا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا سَاُلْقِیْ فِیْ قُلُوْبِ الَّذِیْنَ کَفَرُوا الرُّعْبَ ۝﴾(سورۃ الانفال : ۱۲)

''اور وہ وقت یاد کرو جب تمہارا رب فرشتوں کو اشارہ کر رہا تھا کہ میں تمہارے ساتھ ہوں تم اہلِ ایمان کو ثابت قدم رکھو میں ابھی کافروں کے دلوں میں رعب ڈالے دیتا ہوں''۔

﴿هُوَ الَّذِیْٓ اَخْرَجَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْکِتَابِ مِنْ دِیَارِهِمْ لِاَوَّلِ الْحَشْرِ مَا ظَنَنْتُمْ اَنْ یَّخْرُجُوْا وَ ظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ مَّانِعَتُهُمْ حُصُوْنُهُمْ مِّنَ اللّٰهِ فَاَتٰهُمُ اللّٰهُ مِنْ حَیْثُ لَمْ یَحْتَسِبُوْا وَ قَذَفَ فِیْ قُلُوْبِهِمُ الرُّعْبَ یُخْرِبُوْنَ بُیُوْتَهُمْ بِاَیْدِیْهِمْ وَ اَیْدِی الْمُؤْمِنِیْنَ فَاعْتَبِرُوْا یٰٓاُولِی الْاَبْصَارِ ۝﴾

(سورۃ الحشر : ۲)

''وہی ہے جس نے اہل کتاب کافروں کو پہلے ہی حملے میں ان کے گھروں سے نکال باہر کیا۔ تمہیں ہرگز گمان نہ تھا کہ وہ نکل جائیں گے۔ اور وہ بھی یہ سمجھے بیٹھے تھے کہ ان کی گڑھیاں انہیں اللہ سے بچا لیں گی۔ مگر اللہ ایسے رخ سے ان پر آیا جدھر ان کا خیال بھی نہ گیا تھا۔ اس نے ان کے دلوں

میں رعب ڈال دیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ وہ خود اپنے ہاتھوں سے بھی اپنے گھروں کو برباد کر رہے تھے اور مومنوں کے ہاتھوں بھی برباد کروا رہے تھے۔ پس عبرت حاصل کرو اے دیدۂ بینا رکھنے والو"۔

ان آیات میں جو کچھ بتایا گیا ہے یہ خدا کا ایک معجزہ ہے۔ ان کے دلوں پر رعب طاری کر کے خدا نے اہلِ ایمان اور دین اسلام کے مخالفین کی قوت کو کم کر دیا۔ اہلِ ایمان کے لئے یہ بے حد اہم بات ہے کہ وہ ان آیات پر غور کریں اور ان سے خود نتائج اخذ کریں۔ یہ اس لئے کہ جیسا کہ پچھلے ابواب میں آ چکا ہے' ہمارے دل خدا کے ہاتھ میں ہیں' وہ جس کے دل میں جو کچھ چاہے ڈال سکتا ہے۔ یہ مسلمانوں کی ڈیوٹی نہیں کہ وہ دوسروں پر کوئی خاص تاثر قائم کرنے کی کوششوں میں لگ جائیں' انہیں صرف خلوص دل سے اپنے دینی فرائض اور ذمہ داریوں کی تکمیل میں جتے رہنا چاہیے۔ مثال کے طور پر ایک مومن صرف اس امر کا ذمہ دار ہے کہ وہ دوسروں کو خدا کی کتاب کی روشنی میں آخرت کی یاد دہانی کراتا رہے۔ تاہم وہ شخص صرف خدا کے فضل سے ہی راہ راست پر آئے گا' اسے بات خواہ کسی بھی پیرائے یا لہجے میں کہی جائے۔ اسی طرح اگر کوئی خطرات ہیں تو ان کے سامنے ایک مومن بھی بے بس ہو گا۔ لیکن خدا اہلِ ایمان کی مخلصانہ دینی مساعی کو یقیناً تقویت دیتا ہے اور ان کی تائید و نصرت کا سلسلہ جاری رکھتا ہے۔ جیسا کہ مندرجہ بالا آیات میں فرمایا گیا ہے وہ اہل ایمان کے دشمنوں کے دلوں میں خوف ڈالتا رہتا ہے۔ انہیں ان کی اپنی پریشانیوں میں مبتلا کئے رکھتا ہے' اس طرح اہلِ ایمان کا کام آسان ہو جاتا ہے۔

خدا کفار کے دلوں میں کئی قسم کے خوف ڈالتا ہے' ان میں موت کا خوف بھی ہو سکتا ہے' مستقبل کے اندیشے' زخمی ہو جانے کا ڈر' آفاتِ سماوی اور دولت ضائع ہو جانے کا اندیشہ بھی ہو سکتا ہے۔ موت کا خوف ان پر اس لئے زیادہ شدت کے ساتھ

طاری ہوتا ہے کہ کفار' موت کے بعد کی زندگی کے قائل نہیں ہوتے' اس لئے وہ یہیں کے فوائد' یہیں کی آسائشوں اور لذات کو سب کچھ سمجھ کر' ان سے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے چمٹے رہنا چاہتے ہیں- یہ خیال کر کے کہ ہمارا سب کچھ ضائع ہو جائے گا' وہ موت سے بہت زیادہ خوفزدہ رہتے ہیں- یہ خوف ان کے اندر کئی قسم کی کمزوریاں پیدا کرتا ہے-

خدا ہمیں بتاتا ہے کہ کفار کے دلوں میں رعب ڈال دیا جاتا ہے' اس لئے کہ وہ خدا کے ساتھ دوسروں کو شریک ٹھہراتے ہیں- ان لوگوں کا بالآخر جو انجام ہونا ہے قرآن نے اس کا ذکر سورۃ آلِ عمران کی آیت نمبر ۱۵۱ میں کیا ہے:

﴿سَنُلْقِيْ فِيْ قُلُوْبِ الَّذِيْنَ كَفَرُوا الرُّعْبَ بِمَآ اَشْرَكُوْا بِاللّٰهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهٖ سُلْطٰنًا وَّ مَاْوٰهُمُ النَّارُ وَ بِئْسَ مَثْوَى الظّٰلِمِيْنَ ۝﴾

''عنقریب وہ وقت آنے والا ہے جب ہم منکرینِ حق کے دلوں میں رعب بٹھا دیں گے اس لئے کہ انہوں نے اللہ کے ساتھ ان کو خدائی میں شریک ٹھہرایا ہے جن کے شریک ہونے پر اللہ نے کوئی سند نازل نہیں کی ان کا آخری ٹھکانہ جہنم ہے اور بہت بری ہے وہ قیام گاہ جو ان ظالموں کو نصیب ہوگی''-

دانش مندانہ گفتگو کی صلاحیت نعمتِ خداوندی ہے

قرآن مجید میں آتا ہے کہ انسان کو سُوجھ بُوجھ اور عقل و دانش کے ساتھ جو قوتِ اظہار دی گئی ہے یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے عظیم عطیہ ہے:

﴿يُؤْتِي الْحِكْمَةَ مَنْ يَّشَآءُ وَ مَنْ يُّؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ اُوْتِيَ خَيْرًا كَثِيْرًا وَ مَا يَذَّكَّرُ اِلَّآ اُولُوا الْاَلْبَابِ ۝﴾ (سورۃ البقرۃ : ۲۶۹)

''جس کو چاہتا ہے حکمت عطا کرتا ہے اور جس کو حکمت ملی اسے حقیقت میں بڑی دولت مل گئی۔ ان باتوں سے صرف وہی لوگ سبق لیتے ہیں جو دانشمند ہیں''۔

﴿وَ شَدَدْنَا مُلْكَهٗ وَ اٰتَيْنٰهُ الْحِكْمَةَ وَ فَصْلَ الْخِطَابِ ۝﴾

(سورۃ ص : ۲۰)

''ہم نے اس کی سلطنت مضبوط کر دی تھی اس کو حکمت عطا کی تھی اور فیصلہ کن بات کہنے کی صلاحیت بخشی تھی''۔

عقل و دانش اور متاثر کن گفتگو کا ملکہ خدا کے گرانقدر عطیات میں سے ہے۔ کسی موضوع پر مختلف افراد مختلف طریقوں سے اظہار خیال کر سکتے ہیں' مگر ان میں سے سب سے بہتر طریقہ اظہار وہ ہے جس میں دانش جھلک رہی ہو اور جو واضح ترین ہو۔ کلام کی یہی خصوصیت کسی شخص کو سنی ہوئی بات پر توجہ مرکوز کرنے' بے دھیانی سے دھیان میں لانے اور بھولی بسری بات ذہن میں تازہ کرنے میں مدد دے سکتی ہے۔

ایسی گفتگو کا ملکہ رکھنے والا شخص اپنی بات کو غیر ضروری طور پر لمبی کرنے سے گریز کرتا ہے لیکن اپنے خیالات ونظریات کو بہت مختصر اور جامع اور حتی الامکان قابلِ فہم انداز میں پیش کرتا ہے- ایک صاحبِ عقل آدمی جس موضوع پر بھی اظہار خیال کرتا ہے' اس کے چند سیدھے سادے اور بے لاگ جملے اپنے مخاطبین کے دل پر اثر انداز ہوتے ہیں- یہاں ایک بات خاص طور پر قابل ذکر ہے اور وہ یہ ہے کہ دل کو موہ لینے والی پرتاثیر گفتگو سیکھنے سے حاصل ہونے والی صلاحیت نہیں' اس کے لئے نہ کوئی قواعد و ضوابط ہوتے ہیں اور نہ عقدہ کشائی کے لئے کوئی مقرر شدہ نقاط- یہ دل سے اٹھنے والی ایک بات ہوتی ہے جو دل ہی پر اثر انداز ہوتی ہے- یہ ''ہر چہ از دل خیزد بر دل ریزد'' والا معاملہ ہوتا ہے- اس کے لئے خلوص درکار ہوتا ہے اور اللہ سے یہ دعا' کہ وہ.... میری زبان کو وہ بات کہنے کی توفیق دے جو دل پر اثر کرے ....تو خدا دورانِ گفتگو ہی اس کی زبان سے ایسے جملے کہلوا دیتا ہے جو مطلوبہ اثرات کے حامل ہوتے ہیں-

قرآن مجید جو خدا کا براہ راست کلام ہے' علم و دانش اور موثر ترین گفتگو کا حسین مرقع ہے' دیگر آسمانی کتابوں میں بھی یہی خصوصیت ہے کیونکہ ان سب کتابوں میں خدا نے انسان ہی کو مخاطب فرمایا ہے- قرآن کی یہ دو آیات ملاحظہ فرمایئے:

﴿وَ لَقَدْ جَآءَهُمْ مِّنَ الْاَنْۢبَآءِ مَا فِيْهِ مُزْدَجَرٌ ۝ حِكْمَةٌۢ بَالِغَةٌ فَمَا تُغْنِ النُّذُرُ ۝﴾ (سورۃ القمر : ۴'۵)

''ان لوگوں کے سامنے (پچھلی قوموں کے) وہ حالات آ چکے ہیں جن میں سرکشی سے باز رکھنے کے لئے کافی سامانِ عبرت ہے اور ایسی حکمت جو نصیحت کے مقصد کو بدرجۂ اتم پورا کرتی ہے مگر تنبیہات ان پر کارگر نہیں ہوتیں)''-

☆☆☆

خیالات اور ارادوں کی بھی جوابدہی کرنا پڑے گی

اللہ تعالیٰ اپنے کلام مجید میں انسان کو خلوصِ نیت اور جذبۂ اطاعت کے ساتھ اسلامی اصولوں پر عمل کرنے کا حکم دیتا ہے:

﴿فَمَنْ تَطَوَّعَ خَيْرًا فَهُوَ خَيْرٌ لَّهُ وَ اَنْ تَصُوْمُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴾(سورۃ البقرہ : ۱۸۴)

''...اور جو اپنی خوشی سے کچھ زیادہ بھلائی کرے تو یہ اس کے لئے بہتر ہے لیکن اگر تم سمجھو تو تمہارے حق میں اچھا یہی ہے کہ روزہ رکھو''۔

﴿حٰفِظُوْا عَلَى الصَّلَوٰتِ وَ الصَّلٰوةِ الْوُسْطٰى وَقُوْمُوْا لِلّٰهِ قٰنِتِيْنَ ﴾

(سورۃ البقرہ : ۲۳۸)

''اپنی نمازوں کی نگہداشت کرو خصوصاً ایسی نماز کی جو محاسنِ صلوٰۃ کی جامع ہو، اللہ کے آگے اس طرح کھڑے ہو جیسے فرماں بردار غلام کھڑے ہوتے ہیں''۔

﴿اِنَّ اِبْرٰهِيْمَ كَانَ اُمَّةً قَانِتًا لِّلّٰهِ حَنِيْفًا وَّ لَمْ يَكُ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴾

(سورۃ النحل : ۱۲۰)

''واقعہ یہ ہے کہ ابراہیم علیہ السلام اپنی ذات سے ایک پوری امت تھا۔ اللہ کا مطیع فرمان اور یکسو۔ وہ کبھی مشرک نہ تھا''۔

جیسا کہ ان آیات سے ظاہر ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ انسان کو اپنی تمام نمازیں نہایت احسن طریقہ سے ادا کرنے کی ہدایت فرماتا ہے۔ اس نماز روزے کی پابندی اور زکوٰۃ وغیرہ کی ادائیگی میں اصل اہمیت بندے کے خلوصِ نیت اور کیفیاتِ قلبی کو حاصل ہے۔ قرآن میں اللہ تعالیٰ ہماری توجہ ایسے لوگوں کی طرف مبذول کراتا ہے جو صرف دکھاوے کے لئے نمازیں پڑھتے اور صدقہ خیرات کرتے ہیں جن کی نمازیں حضورِ قلبی سے خالی ہیں اور صرف ایک رسم بن کر رہ گئی ہیں۔ ان لوگوں کے فلاحی کام' اور نماز روزہ اللہ تعالیٰ کے ہاں کوئی حیثیت نہیں پاتے۔ کیونکہ اللہ کے ہاں وہی عبادت قبول ہوتی ہے اور وہی خیرات وصدقات شرفِ قبولیت پاتے ہیں جو خالصتاً اس کی خوشنودی اور آخرت کا اجر پانے کی خواہش کے تحت دیے گئے ہوں۔ خدا ہمیں بتاتا ہے کہ اگر ہم قربانی کرتے ہیں تو قربانی کے جانور کا خون اس کو نہیں پہنچتا' اس کو تو صرف تقویٰ پہنچتا ہے جس کے تحت ہم اپنا جانور ذبح کرتے ہیں:

﴿لَنْ يَنَالَ اللّٰهَ لُحُوْمُهَا وَ لَا دِمَآؤُهَا وَ لٰكِنْ يَّنَالُهُ التَّقْوٰى مِنْكُمْ كَذٰلِكَ سَخَّرَهَا لَكُمْ لِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰى مَا هَدٰىكُمْ وَ بَشِّرِ الْمُحْسِنِيْنَ ۝﴾ (سورة الحج : ٣٧)

''نہ ان کے گوشت اللہ کو پہنچتے ہیں نہ خون' مگر اسے تمہارا تقویٰ پہنچتا ہے۔ اس نے ان کو تمہارے لئے اس طرح مسخر کیا ہے تاکہ اس کی بخشی ہوئی ہدایت پر تم اس کی تکبیر کرو اور اے نبیؐ نیکوکار لوگوں کو بشارت دے دو''۔

لوگوں میں جو بڑے بڑے غلط عقائد پائے جاتے ہیں' ان میں ایک یہ بھی ہے کہ ان سے صرف ان کے اعمال کے سلسلے میں باز پرس کی جائے گی' لیکن خدا فرماتا ہے کہ ان کی نیتوں اور خیالات حتیٰ کہ دل میں چھپائی گئی باتوں کی بھی پرسش کی جائے گی۔

﴿لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِي الْاَرْضِ وَ اِنْ تُبْدُوْا مَافِيْٓ اَنْفُسِكُمْ اَوْ تُخْفُوْهُ يُحَاسِبْكُمْ بِهِ اللّٰهُ فَيَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَآءُ وَ يُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝﴾ (سورۃ البقرہ : ۲۸۴)

''آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے سب اللہ کا ہے- تم اپنے دل کی باتیں خواہ ظاہر کرو خواہ چھپاؤ' اللہ بہر حال ان کا حساب تم سے لے لے گا- پھر اسے اختیار ہے جسے چاہے معاف کر دے اور جسے چاہے سزا دے' وہ ہر چیز پر قادر ہے''-

خدا سب کے دلوں کے حال اور تحت الشعور کے خیالات کے علاوہ ان خیالات سے بھی باخبر ہے جو دوسروں سے چھپائے گئے ہوتے ہیں- وہ کسی شخص کی ذات اور اس کے دل کے درمیان بھی حائل ہوتا ہے- اس لئے انسان اس سے اپنی کوئی بات نہیں چھپا سکتا- کسی کے ذہن میں کوئی خیال آئے شیطان اس سے کوئی سر گوشی کرے' اہل ایمان کے بارے میں اس کے خیالات' قرآن پر اس کا ایمان' نماز کے دوران اس کے ذہن میں گزرنے والے خیالات ہر ایک چیز خدا کو اچھی طرح معلوم ہے اور وہ ان کا ریکارڈ تیار کرتا رہتا ہے- مثال کے طور پر خدا جانتا ہے کہ کوئی شخص کب سستی سے نماز ادا کرتا ہے' یا کب وہ متضاد خیالات کو دل میں جگہ دیتا ہے؟ قیامت کے روز اسے اپنے ہر خیال کا جواب دینا ہوگا- اس امتحان سے سرخرو ہونے کے لئے ضروری ہے کہ بندہ اپنے دل کو فاسد خیالات سے پاک کرے' خدا کی یاد کو دل میں تازہ رکھے محض رسماً نہیں بلکہ مخلص بندوں کی طرح اس سے رجوع کرے- چند روزہ دنیاوی زندگی کے عیش و آرام کی خاطر آخرت کی دائمی راحت کو نظر انداز کرنا' یا بھول جانا' ناعاقبت اندیشانہ طرز عمل ہے- ذیل کی دو آیات میں خدا بندوں کو اس دنیا کی عارضی زندگی کی رنگینیوں سے اجتناب کرنے کی تلقین فرماتا ہے:

﴿يٰقَوْمِ اِنَّمَا هٰذِهِ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا مَتَاعٌ وَّ اِنَّ الْاٰخِرَةَ هِيَ دَارُ الْقَرَارِ ۝ ﴾

(سورة المؤمن : ٣٩)

''اے قوم یہ دنیا کی زندگی تو چند روزہ ہے' ہمیشہ قیام کی جگہ آخرت ہی ہے''۔

﴿اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ يُحِبُّوْنَ الْعَاجِلَةَ وَ يَذَرُوْنَ وَرَآءَهُمْ يَوْمًا ثَقِيْلًا ۝ ﴾

(سورة الدهر : ٢٧)

''یہ لوگ تو جلدی حاصل کرنے والی چیز (دنیا) سے محبت رکھتے ہیں اور آگے جو بھاری دن آنے والا ہے اسے نظر انداز کر دیتے ہیں''۔

محبت عطائے الٰہی ہے

قرآن کریم کی متعدد آیات میں اس محبت کا ذکر آیا ہے جو خدا' انسانوں کے دلوں میں پیدا فرماتا ہے- ذیل کی آیت پر غور کیجیے جس میں فرمایا گیا ہے' کہ یہ خدا ہی ہے' جو اہل ایمان کو اکٹھا کرتا ہے اور ان کے دلوں کو بھائیوں کی طرح جوڑ دیتا ہے:

﴿وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّ لَا تَفَرَّقُوْا وَاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَآءً فَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖۤ اِخْوَانًا وَّ كُنْتُمْ عَلٰى شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَاَنْقَذَكُمْ مِّنْهَا كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ﴾ (سورہ آل عمران : ۱۰۳)

''سب مل کر اللہ کی رسی کو مضبوط پکڑ لو اور تفرقہ میں نہ پڑو- اللہ کے اس احسان کو یاد رکھو جو اس نے تم پر کیا ہے- تم ایک دوسرے کے دشمن تھے' اس نے تمہارے دل جوڑ دیئے اور اس کے فضل و کرم سے تم بھائی بھائی بن گئے- تم آگ سے بھرے ہوئے ایک گڑھے کے کنارے کھڑے تھے اللہ نے تم کو اس سے بچا لیا- اس طرح اللہ اپنی نشانیاں تمہارے سامنے روشن کرتا ہے شاید کہ ان علامتوں سے تمہیں اپنی فلاح کا سیدھا راستہ نظر آ جائے''-

دیگر آیات میں اللہ تعالیٰ ہمیں مطلع فرماتا ہے کہ اہلِ ایمان کے دلوں میں ایک دوسرے کے لیے محبت و شفقت کے جذبات اسی کے کرم کی وجہ سے پیدا ہوئے:

﴿وَ اٰتَيْنٰهُ الْحُكْمَ صَبِيًّا ۝ وَّ حَنَانًا مِّنْ لَّدُنَّا وَ زَكٰوةً وَّ كَانَ تَقِيًّا ۝﴾

(سورۃ مریم : ۱۲' ۱۳)

''ہم نے اسے بچپن ہی میں ''حکم'' سے نوازا اور اپنی طرف سے اس کو نرم

دلی اور پاکیزگی عطا کی''۔

﴿اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَیَجْعَلُ لَهُمُ الرَّحْمٰنُ وُدًّا ۝﴾

(سورۃ مریم : ۹۶)

''یقیناً جو لوگ ایمان لے آئے ہیں اور عمل صالح کر رہے ہیں' عنقریب رحمان ان کے لیے دلوں میں محبت پیدا کر دے گا''۔

﴿وَ مِنْ اٰیٰتِهٖۤ اَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا لِّتَسْكُنُوْۤا اِلَیْهَا وَ جَعَلَ بَیْنَكُمْ مَّوَدَّةً وَّ رَحْمَةً اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّتَفَكَّرُوْنَ﴾

(سورۃ الروم : ۲۱)

''اور اس کی نشانیوں میں سے یہ ہے کہ اس نے تمہارے لیے تمہاری ہی جنس سے بیویاں بنائیں- تا کہ تم ان کے پاس سکون حاصل کرو اور تمہارے درمیان محبت و رحمت پیدا کر دی- یقیناً اس میں دانشمند لوگوں کے لیے بہت سی نشانیاں ہیں''۔

خدا یہ بھی فرماتا ہے کہ وہ اہل ایمان کے لیے' ان کے دشمنوں کے دل میں محبت کے جذبات پیدا کر دے گا- یہ بالکل ممکن بات ہے کیونکہ سب کے دلوں کا مالک وہی ہے- خواہ وہ اہل ایمان ہوں یا دوسرے لوگ:

﴿عَسَى اللّٰهُ اَنْ یَّجْعَلَ بَیْنَكُمْ وَ بَیْنَ الَّذِیْنَ عَادَیْتُمْ مِّنْهُمْ مَّوَدَّةً وَّ اللّٰهُ قَدِیْرٌ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ۝﴾ (سورہ الممتحنہ : ۷)

''بعید نہیں کہ اللہ تمہارے اور ان لوگوں کے درمیان محبت ڈال دے جن سے آج تم نے دشمنی مول لی ہے- اللہ بڑی قدرت رکھتا ہے اور وہ غفور و رحیم ہے''۔

کفار اور اہل ایمان کی موتیں ایک جیسی نہیں ہوں گی

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے موت کے بارے میں ایک ایسی حقیقت کا اظہار فرمایا ہے جس سے بہت سے لوگ ناآشنا ہیں- حالتِ نزع میں سے گزرنے والا شخص جن کیفیات میں سے گزر رہا ہوتا ہے' اس کے اردگرد کھڑے افراد ان کا کوئی ادراک نہیں رکھتے- چنانچہ قرآن ہمیں بتاتا ہے:

﴿فَلَوْلَآ اِذَا بَلَغَتِ الْحُلْقُوْمَ ○ وَ اَنْتُمْ حِيْنَئِذٍ تَنْظُرُوْنَ ○ وَ نَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْكُمْ وَ لٰكِنْ لَّا تُبْصِرُوْنَ○﴾ (سورۃ الواقعۃ : ۸۳ تا ۸۵)

''جب مرنے والے کی جان حلق تک پہنچ چکی ہوتی ہے اور تم آنکھوں سے دیکھ رہے ہوتے ہو کہ وہ مر رہا ہے' اس وقت اس کی نکلتی ہوئی جان واپس کیوں نہیں لے آتے- اس وقت تمہاری نسبت ہم اس کے زیادہ قریب ہوتے ہیں مگر تم کو نظر نہیں آتے''-

موت کے بارے میں ایک اور حقیقت' جس کا انکشاف اس ذوالجلال نے کیا ہے' وہ خوف اور دہشت ہے' جس سے منکرینِ حق ان لحات میں دوچار ہوتے ہیں' اردگرد کھڑے ان کے اعزہ واقرباء اس دہشت کا مشاہدہ نہیں کر سکتے- قرآن مجید نے یہ حقیقت یوں بیان فرمائی ہے:

﴿وَ مَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ قَالَ اُوْحِيَ اِلَيَّ وَ لَمْ يُوْحَ اِلَيْهِ شَيْءٌ وَّ مَنْ قَالَ سَاُنْزِلُ مِثْلَ مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ ۚ وَ لَوْ تَرٰٓى اِذِ الظّٰلِمُوْنَ فِيْ غَمَرٰتِ الْمَوْتِ وَ الْمَلٰٓئِكَةُ بَاسِطُوْٓا اَيْدِيْهِمْ

اَخْرِجُوْآ اَنْفُسَكُمْ اَلْيَوْمَ تُجْزَوْنَ عَذَابَ الْهُوْنِ بِمَا كُنْتُمْ تَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ غَيْرَ الْحَقِّ وَ كُنْتُمْ عَنْ اٰيٰتِهٖ تَسْتَكْبِرُوْنَ﴾ (سورۃ الانعام:۹۴)

''اوراس شخص سے بڑا ظالم اور کون ہوگا جو اللہ پر جھوٹا بہتان گھڑے یا کہے کہ مجھ پر وحی آئی ہے۔ درآنحالیکہ اس پر کوئی وحی نازل نہ کی گئی ہو۔ یا اللہ کی نازل کردہ چیز کے مقابلہ میں کہے کہ میں بھی ایسی چیز نازل کر کے دکھا دوں گا؟ کاش تم ظالموں کو اس حالت میں دیکھ سکو جب کہ وہ سکرات الموت میں ڈبکیاں کھا رہے ہوتے اور فرشتے ہاتھ بڑھا بڑھا کر کہہ رہے ہوتے ہیں کہ ''لاؤ نکالو اپنی جان' آج تمہیں ان باتوں کی پاداش میں ذلت کا عذاب دیا جائے گا جو تم اللہ پر تہمتِ ناحق بکا کرتے تھے اور اس کی آیات کے مقابلے میں سرکشی دکھاتے تھے''۔

﴿وَ لَا تُعْجِبْكَ اَمْوَالُهُمْ وَ اَوْلَادُهُمْ اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّعَذِّبَهُمْ بِهَا فِي الدُّنْيَا وَ تَزْهَقَ اَنْفُسُهُمْ وَ هُمْ كَافِرُوْنَ﴾ (سورۃ التوبہ : ۸۵)

''ان کی مالداری اور ان کی کثرت اولاد تم کو دھوکے میں نہ ڈالے۔ اللہ نے ارادہ کر لیا ہے کہ اس مال و اولاد کے ذریعہ سے ان کو اسی دنیا میں سزا دے اور ان کی جانیں اس حال میں نکلیں کہ وہ کافر ہوں''۔

قرآن مجید میں بیان کردہ اس حقیقت کے مطابق' ہوسکتا ہے کہ کوئی منکرِ حق بظاہر بستر پر لیٹے لیٹے آرام سے مر جائے' اس کے اردگرد کھڑے لوگ بھی خواہ یہی سمجھتے رہیں کہ وہ بغیر کوئی تکلیف محسوس کیے دم توڑ گیا ہے لیکن خدا ہمیں بتاتا ہے کہ کافر یا منکرِ حق شدید اذیت کی موت مرتا ہے مگر ہم اس کی اذیت کا مشاہدہ نہیں کر سکتے۔ فرشتے کفار کی روح جس طریقے سے قبض کرتے ہیں' اس کا قرآن میں یوں ذکر آیا ہے:

﴿فَكَيْفَ إِذَا تَوَفَّتْهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ يَضْرِبُونَ وُجُوهَهُمْ وَ أَدْبَارَهُمْ ۝ ذٰلِكَ بِأَنَّهُمُ اتَّبَعُوا مَآ أَسْخَطَ اللّٰهَ وَ كَرِهُوا رِضْوَانَهُ فَأَحْبَطَ أَعْمَالَهُمْ ۝﴾ (سورۃ محمد: ۲۷، ۲۸)

''پھر اس وقت کیا حال ہوگا جب فرشتے ان کی روحیں قبض کریں گے اور ان کے منہ اور پیٹھوں پر مارتے ہوئے انہیں لے جائیں گے؟ یہ اسی لیے تو ہوگا کہ انہوں نے اس طریقے کی پیروی کی جو اللہ کو ناراض کرنے والا ہے اور اس کی رضا کا راستہ اختیار کرنا' پسند نہ کیا۔ اسی بنا پر اس نے ان کے سب اعمال ضائع کر دیئے''۔

﴿وَ لَوْ تَرٰٓى إِذْ يَتَوَفَّى الَّذِينَ كَفَرُوا الْمَلٰٓئِكَةُ يَضْرِبُونَ وُجُوهَهُمْ وَ أَدْبَارَهُمْ وَ ذُوقُوا عَذَابَ الْحَرِيقِ ۝ ذٰلِكَ بِمَا قَدَّمَتْ أَيْدِيكُمْ وَ أَنَّ اللّٰهَ لَيْسَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيدِ ۝﴾ (سورۃ الانفال: ۵۰، ۵۱)

''کاش تم اس حالت کو دیکھ سکتے جب کہ فرشتے مقتول کافروں کی روحیں قبض کر رہے تھے۔ وہ ان کے چہروں اور ان کے کولہوں پر ضربیں لگاتے جاتے تھے اور کہتے جاتے تھے ''لو اب جلنے کی سزا بھگتو۔ یہ وہ جزا ہے جس کا سامان تمہارے اپنے ہاتھوں نے پیشگی مہیا کر رکھا تھا۔ ورنہ اللہ تو اپنے بندوں پر ظلم کرنے والا نہیں''۔

منکرینِ حق کی اس اذیت ناک موت کے برعکس' اہل ایمان نہایت سکون و اطمینان سے دنیا سے رخصت ہوتے ہیں۔ مثال کے طور پر ایک مومن جس نے ایک غزوے کے دوران آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے شانہ بشانہ جہاد میں حصہ لیا' ایک خنجر لگنے سے اس کا تمام ڈر اور خوف دور ہو گیا اور اس نے بے حد سکون کے ساتھ اپنی

جان، جاں آفرین کے سپرد کر دی۔ جیسا کہ خدا، ایک آیت میں ہمیں مطلع فرماتا ہے۔ اہل ایمان کی روحیں نہایت پاکیزگی کی حالت میں نکالی جائیں گی، فرشتے ان کا گرم جوشی سے خیر مقدم کریں گے اور انہیں بہتر سلوک کی خوشخبریاں سنائیں گے۔ قرآن میں خدا تعالیٰ نے اہل ایمان کی وفات کو یوں بیان فرمایا ہے:

﴿الَّذِينَ تَتَوَفّٰهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ طَيِّبِيْنَ يَقُوْلُوْنَ سَلٰمٌ عَلَيْكُمُ ادْخُلُوا الْجَنَّةَ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ○﴾ (سورة النحل: ٣٢)

''ان متقیوں کو جن کی روحیں پاکیزگی کی حالت میں جب ملائکہ قبض کرتے ہیں تو کہتے ہیں سلام ہو تجھ پر، جاؤ جنت میں اپنے اعمال کے بدلے''۔
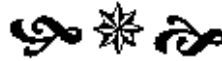
نماز منکرات سے روکتی ہے

قرآن میں اوقاتِ مقررہ پر نمازوں کی ادائیگی کا حکم دیا گیا ہے- اللہ تعالیٰ نے نماز کی سختی سے پابندی کرنے والوں سے اجرِ عظیم کا وعدہ کر رکھا ہے- نمازیوں کے لیے ایک اور انعام بھی رکھا گیا ہے-

سورۃ عنکبوت کی آیت نمبر ۴۵ میں آیا ہے:

﴿اُتْلُ مَآ اُوْحِیَ اِلَیْکَ مِنَ الْکِتَابِ وَ اَقِمِ الصَّلٰوۃَ. اِنَّ الصَّلٰوۃَ تَنْھٰی عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْکَرِ. وَلَذِکْرُ اللّٰہِ اَکْبَرُ وَاللّٰہُ یَعْلَمُ مَا تَصْنَعُوْنَ٥﴾

''(اے نبیؐ) تلاوت کرو اس کتاب کی جو تمہاری طرف وحی کے ذریعہ بھیجی گئی ہے- اور نماز قائم کرو یقیناً نماز فحش اور برے کاموں سے روکتی ہے- اور اللہ کا ذکر اس سے بھی زیادہ بڑی چیز ہے اللہ جانتا ہے جو کچھ تم کرتے ہو''-

اس آیت کریمہ میں فرمایا گیا ہے کہ جو لوگ پابندی سے نماز ادا کرتے ہیں' انہیں یہ نماز فحش حرکتوں اور دیگر برے کاموں سے دور رکھتی ہے- خدا انسانوں کو تمام منکرات سے بچنے کی ہدایت فرماتا ہے- جو انسان قرآنی احکامات کے مطابق نماز ادا کرتا ہے دن کے مقررہ اوقات میں خدا کے سامنے احترام کے ساتھ قیام کرتا (کرتی) ہے' رکوع اور سجود کرتا (کرتی) ہے' یقیناً برائیوں کے ارتکاب سے بچے گا' اس کے نتیجے میں اس کے دل میں خدا کا خوف پیدا ہوتا ہے- ایسے لوگوں کے ضمیر میں خدا کے فضل و کرم سے ایسی قوت پیدا ہو جائے گی کہ وہ برائیوں سے مجتنب اور

گریزاں رہیں گے۔ اگر کسی بشری کمزوری کے باعث' کسی کمزور لمحے میں ان سے کوئی غلطی سرزد ہو جائے تو ان کے دلوں میں اس کا فوراً احساس پیدا ہو جاتا ہے' اور اس کے حضور گڑگڑا کر معافی کے طلب گار ہو جاتے ہیں' آئندہ کے لیے توبہ کرتے ہیں جس پر خدا انہیں معافی عطا فرما دیتا ہے۔
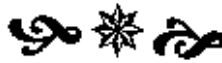
کشتگانِ خنجر تسلیم

قرآن مجید میں ارشاد ہے کہ جو لوگ خدا کی راہ میں موت کو لبیک کہتے ہیں' درحقیقت ''مرتے'' نہیں ہیں' بلکہ اس باری تعالیٰ کے نزدیک زندۂ جاوید ہوتے ہیں۔ چنانچہ ذیل کی آیات میں فرمایا گیا ہے:

﴿وَ لَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا بَلْ اَحْيَآءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ ○ فَرِحِيْنَ بِمَآ اٰتٰهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ وَ يَسْتَبْشِرُوْنَ بِالَّذِيْنَ لَمْ يَلْحَقُوْا بِهِمْ مِّنْ خَلْفِهِمْ اَلَّا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَ لَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ○ يَسْتَبْشِرُوْنَ بِنِعْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَ فَضْلٍ وَّ اَنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ○﴾ (سورۃ ال عمران : ۱۶۹ تا ۱۷۱)

''جو لوگ اللہ کی راہ میں قتل ہوئے ہیں انہیں مردہ نہ سمجھو۔ وہ تو حقیقت میں زندہ ہیں اپنے رب کے پاس رزق پا رہے ہیں جو کچھ اللہ نے انہیں دیا ہے اس پر خوش و خرم ہیں اور مطمئن ہیں کہ جو اہل ایمان ان کے پیچھے دنیا میں رہ گئے ہیں اور ابھی وہاں نہیں پہنچے ہیں ان کے لیے بھی کسی خوف اور رنج کا موقع نہیں ہے۔ وہ اللہ کے انعام اور اس کے فضل پر شاداں و فرحاں ہیں اور ان کو معلوم ہو چکا ہے کہ اللہ مومنوں کے اجر کو ضائع نہیں کرتا''۔

﴿وَ لَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ يُّقْتَلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ بَلْ اَحْيَآءٌ وَّ لٰكِنْ لَّا

تَشْعُرُوْنَ﴾ (سورۃ البقرہ : ۱۵۴)

''اور جو لوگ اللہ کی راہ میں مارے جائیں' انہیں مردہ نہ کہو' ایسے لوگ تو حقیقت میں زندہ ہیں مگر تمہیں ان کی زندگی کا شعور نہیں ہوتا''۔

قرآن مجید میں مزید بتایا گیا ہے کہ جو لوگ اللہ کی راہ میں شہادت پاتے ہیں' ان کے اعمال کو اللہ کے ہاں پذیرائی ملتی ہے اور ان کا جنت میں خیر مقدم کیا جاتا ہے۔ اس حقیقت کا اظہار ذیل کی آیات میں کیا گیا ہے:

﴿وَالَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَلَنْ يُّضِلَّ اَعْمَالَهُمْ ۝ سَيَهْدِيْهِمْ وَ يُصْلِحُ بَالَهُمْ ۝ وَ يُدْخِلُهُمُ الْجَنَّةَ عَرَّفَهَا لَهُمْ ۝﴾

(سورۃ محمد : ۴ تا ۶)

''اور جو لوگ اللہ کی راہ میں مارے جائیں گے اللہ ان کے اعمال کو ہرگز ضائع نہ کرے گا اور ان کی رہنمائی فرمائے گا' ان کا حال درست کر دے گا اور ان کو اس جنت میں داخل کرے گا جس سے وہ ان کو واقف کرا چکا ہے''۔

﴿فَاسْتَجَابَ لَهُمْ رَبُّهُمْ اَنِّيْ لَآ اُضِيْعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِّنْكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى بَعْضُكُمْ مِّنْ بَعْضٍ فَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا وَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَ اُوْذُوْا فِيْ سَبِيْلِيْ وَ قٰتَلُوْا وَ قُتِلُوْا لَاُكَفِّرَنَّ عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ وَ لَاُدْخِلَنَّهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ثَوَابًا مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ وَاللّٰهُ عِنْدَهٗ حُسْنُ الثَّوَابِ۝﴾ (سورۃ آل عمران : ۱۹۵)

''جواب میں ان کے رب نے فرمایا ''میں تم میں سے کسی کا عمل ضائع کرنے والا نہیں ہوں۔ خواہ مرد ہو یا عورت' تم سب ایک دوسرے کے ہم

جنس ہو' لہٰذا جن لوگوں نے میری خاطر اپنے وطن چھوڑے اور جو میری راہ میں اپنے گھروں سے نکالے گئے اور ستائے گئے اور میرے لیے لڑے اور مارے گئے میں ان کے سب قصور معاف کر دوں گا اور انہیں ایسے باغوں میں داخل کروں گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی - یہ ان کی جزا ہے اللہ کے ہاں اور بہترین جزا اللہ ہی کے پاس ہے''-

---

﴿وَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ثُمَّ قُتِلُوْٓا اَوْ مَاتُوْا لَيَرْزُقَنَّهُمُ اللّٰهُ رِزْقًا حَسَنًا وَّ اِنَّ اللّٰهَ لَهُوَ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ ۝ لَيُدْخِلَنَّهُمْ مُّدْخَلًا يَّرْضَوْنَهٗ وَ اِنَّ اللّٰهَ لَعَلِيْمٌ حَلِيْمٌ ۝﴾ (سورة الحج : ۵۸' ۵۹)

''اور جن لوگوں نے اللہ کی راہ میں ہجرت کی' پھر قتل کر دیے گئے یا مر گئے' اللہ ان کو اچھا رزق دے گا اور یقیناً اللہ ہی بہترین رازق ہے اور وہ انہیں ایسی جگہ پہنچائے گا جس سے وہ خوش ہو جائیں گے بے شک اللہ علیم اور حلیم ہے''-

متذکرہ صدر آیات میں اللہ تعالیٰ کی راہ میں جام شہادت نوش کرنے والوں کے بارے میں ان حقائق پر روشنی ڈالی گئی ہے جن سے بہت سے لوگ ناواقف ہیں-

عزت واقتدار اللہ کے ہاتھ میں ہے
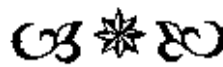
جو لوگ زندگی بعد از موت کے قائل نہیں' ان کی تمام مساعی' قوت و اقتدار اور برتری حاصل کرنے کے لیے ہوتی ہیں' کیونکہ وہ اپنی زندگی کو صرف اسی مادی دنیا تک محدود سمجھتے ہیں' اور پوری زندگی اسی مقصد کے لیے وقف کر دیتے ہیں- اس عزت و وقار کے لیے انہوں نے اپنے الگ پیمانے' منزلیں اور اقدار مقرر کر رکھی ہوتی ہیں- ان کی تمام قوتیں دولتمند بننے' معاشرے میں قائدانہ رول ادا کرنے اور شہرت کے حصول کے لیے صرف ہوتی ہیں- اگر وہ ان میں سے کوئی ایک چیز حاصل کرنے میں ناکام ہو جائیں تو سمجھتے ہیں کہ ان کا سارا اعتماد' عزت اور وقار گویا سب کچھ چھن گیا ہے- یہ ان کی شدید غلط فہمی ہے- اس غلطی کا قرآن میں یوں ذکر آیا ہے:

﴿وَاتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اٰلِهَةً لِّيَكُوْنُوْا لَهُمْ عِزًّا ۝ كَلَّا سَيَكْفُرُوْنَ بِعِبَادَتِهِمْ وَ يَكُوْنُوْنَ عَلَيْهِمْ ضِدًّا ۝﴾ (سورۃ مریم: ۸۱' ۸۲)

"ان لوگوں نے اللہ کو چھوڑ کر اپنے کچھ خدا بنا رکھے ہیں کہ وہ ان کے پشتیبان ہوں گے- کوئی پشتیبان نہ ہوگا- وہ سب ان کی عبادت کا انکار کریں گے اور الٹے ان کے مخالف بن جائیں گے"-

طاقت اور اقتدار کا واحد مالک اللہ ہے اور وہ جسے چاہتا ہے قوت و اقتدار بخش دیتا ہے- جو لوگ ان کے لیے خدا سے دعا مانگنے کی بجائے دوسرے ذرائع اختیار کرتے ہیں وہ دراصل اس کے اقتدار میں انہیں شریک سمجھنے کے مرتکب ہوتے ہیں- کیونکہ کسی شخص کی دولت' مرتبہ یا وقار اسے اقتدار نہیں دلوا سکتا- خدا چاہے تو پل

جھپکنے میں کسی سے اقتدار چھین سکتا ہے۔ مثال کے طور پر کئی بڑے بڑے عہدوں' دولت کے مالکوں اور متکبرین کو اپنی جاہ وحشمت سے چند لمحوں میں محروم ہوتے دیکھا گیا ہے۔ یہ اس امر کا ثبوت ہے کہ ہر چیز کا مالک حقیقی اللہ ہے۔

خدا قوت اور اقتدار اپنے ان بندوں کو عطا کرتا ہے جو اس کے دوست ہیں جو خلوصِ دل سے اس کے سامنے سربسجود ہوتے ہیں اور قرآنی احکامات کے مطابق زندگی بسر کرتے ہیں۔ جو شخص قرآن کو اپنا رہنما بناتا ہے وہ ایسی کوئی حرکت نہیں کرتا جس سے ذلت و رسوائی اور پشیمانی ہوتی ہو یا اس کو حاضر ناظر سمجھ کر شرمندگی اٹھانا پڑتی ہو۔ جو لوگ خلوص دل سے ایمان لائے ہیں ان کے دلوں میں کسی شخص یا کسی کے اقتدار کا خوف نہیں ہوتا' اور نہ وہ کسی سے فوائد حاصل کرنے کے لیے بے جا خوشامد کرتے ہیں۔ ان کی تمام مساعی کا مرکز ومحور خدا کی خوشنودی کا حصول ہوتا ہے اور ان کے دل بھی غیر اللہ کے خوف سے بے نیاز ہوتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ انہیں نہ کوئی کمزوری ہوتی ہے اور نہ وہ احساس کمتری میں مبتلا پائے جاتے ہیں۔ اگر ان کے پاس مال ودولت اور اقتدار آ بھی جائے تو وہ کسی گھمنڈ کا شکار نہیں ہوتے' بلکہ یہ سمجھتے ہیں کہ یہ سب کچھ اسی کی عطا ہے' چنانچہ بارگاہِ ایزدی میں ان کے سر مزید جھک جاتے ہیں۔ ان کے دل خوفِ خدا سے لرزتے رہتے ہیں اور وہ اپنی زندگی کے تمام لمحات اسی کی خوشنودی کے لیے وقف کیے رکھتے ہیں۔ چنانچہ قرآن مجید میں آتا ہے:

﴿وَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُوْلِهٖ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَلٰـكِنَّ الْمُنَافِقِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ ○﴾

(سورة المنافقون : ٨)

''......حالانکہ عزت تو اللہ اور اس کے رسولؐ اور مومنین کے لیے ہے مگر یہ منافق جانتے نہیں ہیں''۔

صراطِ مستقیم کی تلاش

دنیا میں تقریباً ہر شخص نے ''صحیح'' اور ''غلط'' کے بارے میں ایک تصور قائم کر رکھا ہے اس لیے صحیح اور غلط کے سلسلے میں قائم شدہ پیمانوں کا بھی آپس میں بہت اختلاف ہے۔ کسی شخص نے کسی کتاب کو' کسی نے کسی فرد کو' کسی نے کسی سیاستدان کو اور کسی نے کسی فلسفی کو اپنے لیے رہنما منتخب کر رکھا ہے۔ تاہم' صحیح راستہ جو نجات کی طرف لے جاتا ہے وہ ہے جس کی نشاندہی خدا کے منتخب دین' دین اسلام میں کی گئی ہے۔ جس میں سارے انسانوں کو خدا کی خوشنودی حاصل کر کے اس سے رحم و کرم طلب کرنے اور جنت کے مستحق قرار پانے کی تلقین کی گئی ہے۔ دوسرے راستے خواہ وہ کتنے ہی پرکشش دکھائی دیں دھوکہ اور فریب ہیں' تباہی مایوسی اور دنیا و آخرت کے عذاب کی طرف لے جاتے ہیں۔

صرف وہی لوگ صحیح راہ پر گامزن ہیں جنہوں نے قرآن کو اپنا رہنما بنایا ہوا ہے' انہیں دنیا و آخرت میں کامیابی حاصل ہوگی اور جنت کے مستحق قرار پائیں گے۔

پختگیٔ ایمان:

راہِ حق پر چلنے کے لیے سب سے پہلی ضرورت پختگیٔ ایمان ہے۔ اگر کوئی آدمی یہ یقین رکھتا ہے کہ آسمان و زمین اور ان کے درمیان جو کچھ ہے سب کا خالق اور مالک اللہ ہے اور اسے یہ بھی یقین ہے کہ دنیا میں میرے وجود کا مقصد صرف عبادتِ الٰہی ہے تو خداوند کریم لازماً اسے صراط مستقیم پر چلنے کے لیے ہدایت اور توفیق عطا کر دیتا ہے۔ بندگی کا خاصہ ہے کہ انسان خدا' قیامت اور قرآن پر پختہ ایمان رکھتا

ہو۔ بعض لوگ اگرچہ اہلِ ایمان کہلاتے ہیں لیکن حقیقت میں ایسا نہیں ہوتا' ان کے دلوں میں ان حقائق کے بارے میں شبہات پائے جاتے ہیں۔ جب وہ منکرین حق کے ساتھ نشت و برخاست کرتے ہیں' یعنی ان کی مجلسوں میں بیٹھے ہوتے ہیں تو انہی کے زیر اثر رہتے ہیں' ان کا ایمان ڈگمگاتا رہتا ہے' نتیجتاً خدا اور مذہب کے سلسلے میں ان کا رویہ معاندانہ ہو جاتا ہے۔ تاہم خلوصِ دل کے ساتھ راہِ ہدایت پر چلنے والے افراد کو خدا ثابت قدمی عطا فرماتا ہے ان کے عقیدے میں کوئی تزلزل رونما نہیں ہوتا۔ جیسا کہ سورۃ الحج کی آیت نمبر ۵۴ میں فرمایا گیا ہے:

﴿وَلِيَعْلَمَ الَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ أَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ فَيُؤْمِنُوا بِهِ فَتُخْبِتَ لَهُ قُلُوبُهُمْ وَ إِنَّ اللَّهَ لَهَادِ الَّذِينَ آمَنُوا إِلَى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ﴾

(سورۃ الحج : ۵۴)

''اور علم سے بہرہ مند لوگ جان لیں کہ یہ حق ہے تیرے رب کی طرف سے اور وہ اس پر ایمان لانے والوں کو ہمیشہ سیدھا راستہ دکھا دیتا ہے''۔

رجوع الی اللہ...... بذریعہ اطاعت

جو لوگ مکمل جذبۂ اطاعت سے اللہ کی طرف رجوع کرتے ہیں' یہ ان کے صراطِ مستقیم پر ہونے کا ایک اور ثبوت ہے۔ کیونکہ جو شخص خدا پر ایمان رکھتا ہے اور قیامت سے ڈرتا ہے' اسے دنیا کی طرف کوئی رغبت نہیں رہتی۔ وہ ہر آن خدا کی خوشنودی کا طلب گار اور جنت کی حقیقی خوشیوں کا متمنی رہتا ہے۔ یہاں کی عارضی خوشیاں اس کے لیے کوئی وقعت نہیں رکھتیں۔

جب خدا کی خوشنودی واحد مقصد بن جائے تو مومن اپنے سب کام اسی کی مرضی کے مطابق کرتا ہے۔ جب کوئی مصیبت آ جائے تو اسے خندہ پیشانی سے قبول کرتا ہے کیونکہ وہ جانتا ہے کہ اللہ اپنے بندوں کو آزمانے کے لیے گرفتارِ بلا کرتا ہے۔ یہ مصیبت پہلے سے میرے مقدر میں لکھی ہوئی تھی۔ خدا اپنے کلام مجید میں فرماتا ہے کہ جو لوگ میری طرف رجوع کریں گے میں انہیں صحیح راستے پر ڈال دوں گا:

﴿وَ كَيْفَ تَكْفُرُوْنَ وَ اَنْتُمْ تُتْلٰى عَلَيْكُمْ اٰيٰتُ اللّٰهِ وَ فِيْكُمْ رَسُوْلُهٗ وَ مَنْ يَّعْتَصِمْ بِاللّٰهِ فَقَدْ هُدِيَ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝﴾

(سورۃ آل عمران : ۱۰۱)

''تمہارے لیے کفر کی طرف جانے کا اب کیا موقع باقی ہے جب کہ تم کو اللہ کی آیات سنائی جا رہی ہیں اور تمہارے درمیان اس کا رسولؐ موجود ہے؟ جو اللہ کا دامن مضبوطی کے ساتھ تھامے گا وہ ضرور راہ راست پائے گا''۔

﴿شَرَعَ لَكُم مِّنَ الدِّينِ مَا وَصَّىٰ بِهِ نُوحًا وَالَّذِي أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ وَمَا وَصَّيْنَا بِهِ إِبْرَاهِيمَ وَمُوسَىٰ وَعِيسَىٰ أَنْ أَقِيمُوا الدِّينَ وَلَا تَتَفَرَّقُوا فِيهِ كَبُرَ عَلَى الْمُشْرِكِينَ مَا تَدْعُوهُمْ إِلَيْهِ اللَّهُ يَجْتَبِي إِلَيْهِ مَن يَشَاءُ وَيَهْدِي إِلَيْهِ مَن يُنِيبُ ۝﴾ (سورۃ الشوریٰ : ۱۳)

''اس نے تمہارے لیے دین کا وہی طریقہ مقرر کیا ہے جس کا حکم اس نے نوحؑ کو دیا تھا اور جسے (اے محمدؐ) اب تمہاری طرف ہم نے وحی کے ذریعہ بھیجا ہے اور جس کی ہدایت ہم ابراہیمؑ، اور موسیٰؑ اور عیسیٰؑ کو دے چکے ہیں۔اس تاکید کے ساتھ کہ قائم کرو اس دین کو اور اس میں متفرق نہ ہو جاؤ۔ یہی بات ان مشرکین کو سخت ناگوار ہوئی ہے جس کی طرف (اے محمدؐ) تم انہیں دعوت دے رہے ہو۔اللہ جسے چاہتا ہے اپنا کر لیتا ہے اور وہ اپنی طرف آنے کا راستہ اسی کو دکھاتا ہے جو اس کی طرف رجوع کرے''۔

ہدایت بشرط اطاعت:

خدا کا ایک اور حکم جو اس نے ہدایت کے طلب گار بندوں کو دیا ہے یہ ہے:

﴿وَلَوْ أَنَّهُمْ فَعَلُوا مَا يُوعَظُونَ بِهِ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ وَأَشَدَّ تَثْبِيتًا ۝ وَإِذًا لَّآتَيْنَاهُم مِّن لَّدُنَّا أَجْرًا عَظِيمًا ۝ وَلَهَدَيْنَاهُمْ صِرَاطًا مُّسْتَقِيمًا ۝﴾

(سورۃ النساء : ٦٦ تا ٦٨)

''اگر یہ اس پر عمل کرتے تو یہ ان کے لیے زیادہ بہتری اور زیادہ ثابت قدمی کا موجب ہوتا۔اور جب یہ ایسا کرتے تو ہم انہیں اپنی طرف سے بہت بڑا اجر دیتے اور انہیں سیدھا راستہ دکھا دیتے''۔

جو اہل ایمان خدا کے خوف کی وجہ سے خود کو گناہوں سے پاک کرنے اور اپنی اعلیٰ اخلاقی تربیت کرنے کے لیے جدو جہد کریں گے اللہ ان سے بہت خوش ہوگا تاہم

گناہوں سے چھٹکارا حاصل کرنے اور خدا سے سیدھی راہ پانے کے لیے عجز و انکسار کی ضرورت ہوتی ہے۔

ایک عاجز بندہ جو تقویٰ کی راہ پر چلنا چاہتا ہو' وہ سب سے پہلے خدا کے احکامات ہی کی پیروی کرے گا۔ اہل ایمان کی ایک خصوصیت یہ بھی بتائی گئی ہے کہ وہ خدا کے دوست ہوتے ہیں اور اپنے جادہ و منزل کے حوالے سے آپس میں ایک دوسرے کے خیر خواہ اور محافظ بھی ہوتے ہیں۔ ایک دوسرے کو نیک کام کرنے کا حکم دیتے ہیں اور برائیوں سے بچنے کی بھی تلقین کرتے رہتے ہیں۔ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ ادا کرنے کے ساتھ ساتھ وہ یہ رویہ بھی اختیار کرتے ہیں کہ جب کوئی دوسرا انہیں نیک کام کی طرف بلائے یا اچھائی کی تلقین کرے تو اس پر بھی کان دھرتے ہیں۔ اسی طرز عمل کے باعث خدا انہیں اپنی طرف آنے کا سیدھا راستہ بتاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے شیطان کی پیروی نہ کرنے اور قرآنی احکامات پر عمل کرنے والے اپنے بندوں کو یہ خوشخبری سنائی ہے:

﴿وَالَّذِيْنَ اجْتَنَبُوا الطَّاغُوْتَ اَنْ يَّعْبُدُوْهَا وَ اَنَابُوْٓا اِلَى اللّٰهِ لَهُمُ الْبُشْرٰى فَبَشِّرْ عِبَادِ ○ الَّذِيْنَ يَسْتَمِعُوْنَ الْقَوْلَ فَيَتَّبِعُوْنَ اَحْسَنَهٗ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ هَدٰىهُمُ اللّٰهُ وَ اُولٰٓئِكَ هُمْ اُولُوا الْاَلْبَابِ ○﴾

(سورة الزمر: ۱۷، ۱۸)

''...جن لوگوں نے طاغوت کی بندگی سے اجتناب کیا اور اللہ کی طرف رجوع کر لیا ان کے لیے خوشخبری ہے۔ پس (اے نبیؐ) بشارت دے دو میرے ان بندوں کو جو بات غور سے سنتے ہیں اور اس کے بہترین پہلو کی پیروی کرتے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کو اللہ نے ہدایت بخشی ہے اور یہی دانشمند ہیں''۔

نفسِ انسانی اور ترغیبِ گناہ

نفسِ انسانی کے اندر ایک قوتِ حاکمہ ہے جو معصیت کے بارے میں گہرا شعور رکھتی ہے اور اس سے اجتناب کے طریقوں سے بھی آگاہی رکھتی ہے۔ بہ الفاظ دیگر انسان کو بدکرداری اور بداعمالی پر اکسانے والا اس کا اپنا نفس ہے۔ نفس کی ان دو داخلی کیفیات کو قرآن مجید کی سورت الشمس کی آیات ۷، ۸ اور ۹ میں یوں بیان کیا گیا ہے۔

﴿وَنَفْسٍ وَّمَا سَوّٰهَا ۝ فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَتَقْوٰهَا ۝ قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰهَا ۝﴾

''اور قسم نفسِ انسانی کی، جس نے اسے ہموار کیا، پھر اس کی بدی اور اس کی پرہیزگاری اس پر الہام کر دی یقیناً فلاح پا گیا وہ جس نے نفس کا تزکیہ کیا''۔

ان آیات میں نفسِ انسانی کی داخلی کیفیت کا حال بتایا گیا ہے کہ وہ لوگوں کی معصیتوں اور بداعمالیوں کا اصل منبع ہے۔ اس خصوصیت کے اعتبار سے تو نفس، انسان کے بدترین دشمنوں میں سے ایک ہے۔ یہ انتہائی خود بین وخود پسند اور حریص وخود غرض ہے اور ہمیشہ اپنی خواہشات کی تکمیل کی راہیں تلاش کرتا رہتا ہے۔ اسے صرف اپنی ضرورتوں، اپنے مفادات اور اپنی خوشیوں سے غرض رہتی ہے۔ چونکہ یہ سب کچھ جائز راستوں سے پورا ہونا ممکن نہیں ہوتا اس لیے نفس، انسان کو ہر ہتھیار آزمانے پر اکساتا رہتا ہے۔ حضرت یوسف علیہ السلام کے الفاظ اس حقیقت کی بالکل صحیح ترجمانی

کرتے ہیں- یہ الفاظ قرآن مجید میں یوں آتے ہیں:

﴿وَمَا اُبَرِّئُ نَفْسِي اِنَّ النَّفْسَ لَاَمَّارَةٌ بِالسُّوْءِ اِلَّا مَارَحِمَ رَبِّي اِنَّ رَبِّي غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝﴾ (سورة يوسف : ٥٣)

''میں کچھ اپنے نفس کی برأت نہیں کر رہا ہوں- نفس تو بدی پر اکساتا ہی ہے الا یہ کہ کسی پر میرے رب کی رحمت ہو' بے شک میرا رب بڑا غفور و رحیم ہے''-

یہ انکشاف کہ نفس' انسان کو بداعمالیوں اور بدکرداریوں پر شدید طور پر اکساتا ہے' خدا کا خوف رکھنے والے اہل ایمان کے لیے بڑی اہمیت رکھتا ہے- اس سے ان پر یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ نفس اپنی چالیں مسلسل چلتا رہے گا' ان میں لحہ بھر کا توقف بھی نہیں آئے گا- وہ انسان کو خدا کی راہ سے بھٹکانے کے لیے متواتر ترغیبات دیتا رہتا ہے کبھی خاموش نہیں رہتا- ہر برائی کا جواز تلاش کرتا اور نئی نئی وجوہ تراشتا رہتا ہے- یہ انسان کو گستاخیاں کرنے' ہر فائدہ مند چیز کو قبضے میں لانے اور عیش و آرام کے جملہ لوازمات کو سمیٹنے کی ترغیبات دیتا ہے- مختصراً یہ کہا جا سکتا ہے کہ نفس' انسان کو خدا کی خوشنودی کے لیے مطلوب اخلاقی ضابطوں کو پامال کرنے کے قسم قسم کے طریقے بتاتا رہتا ہے-

جہاں تک کفار کے طرز عمل اور طور طریقوں کا تعلق ہے وہ سراسر ان کے اپنے نفس کی کارکردگی ہے جو کہ صاف ظاہر ہے کہ قرآنی اخلاق سے بالکل متصادم رویہ ہے- خدا کا خوف نہ ہونے کی وجہ سے وہ اپنے ضمیر کی بات سننے اور اس کے مطابق عمل کرنے کے جذبے کا مظاہرہ نہیں کر سکتے بلکہ خواہشاتِ نفسانی ہی کی پیروی پر مصر رہتے ہیں- جب ہر کوئی من مانی کرنے' اپنی ہر خواہشات کی تکمیل کے لیے کوشاں ہو- تو معاشرہ باہمی مناقشتوں' تصادموں اور آویزشوں کی رزم گاہ بن جاتا ہے-

اس طرح جو بدنظمی و خلفشار جنم لیتا ہے' اس کی جڑیں ہر شخص کے نفس کے اندر پیوستہ ہوتی ہیں' وہاں سے انہیں نکالنے کے لئے جن اخلاق کی ضرورت ہوتی ہے وہ تو مذہب ہی سے ممکن ہوسکتا ہے۔ غرضیکہ نفس پرستی پر مبنی معاشرہ' محبت وشفقت' احترامِ انسانیت اور قربانی جیسی خصوصیات سے بالکل عاری ہوتا ہے۔

لہٰذا اللہ تعالیٰ کی بتائی ہوئی یہ بات بے حد اہمیت رکھتی ہے کہ اپنے نفس کی اصلاح کئے بغیر صحیح اعمال جنم نہیں لے سکتے۔ اصلاحِ نفس کا طریقہ یہ ہے کہ نفس جو کچھ چاہتا ہو اس کے برعکس کام کیا جائے۔ مثال کے طور پر نفس سستی پر مائل ہے اور آرام کا مطالبہ کرتا ہے تو اس کے برعکس عمل کیا جائے۔ یعنی سخت محنت طلب کام شروع کر دیا جائے۔ نفس خودغرضی پر مائل ہو تو زیادہ قربانی کرو۔ جب نفس کنجوسی کا مطالبہ کرے تو زیادہ فیاضی کا مظاہرہ کرو۔

سورۃ الشمس میں روح کی خباثتوں کا جو حوالہ دیا گیا ہے' ہم اس کے علاوہ یہ بھی جانتے ہیں کہ خدا نے روح کو شعور بھی عطا کیا ہے جو اسے گھٹیا خواہشات کی پیروی سے روکتا رہتا ہے۔ یعنی روح کسی انسان کو برائیوں پر اکسانے کے ساتھ ساتھ حق وصداقت کی تلاش پر بھی آمادہ کر سکتی ہے۔ اس امر کا ہر کسی کو تجربہ حاصل ہے کہ دل سے اٹھنے والی سرگوشیاں انسان کو برائیوں اور نیکیوں کی پہچان کراتی رہتی ہیں۔ ان آوازوں کو ضمیر کی آوازیں کہتے ہیں' ضمیر کی آواز پر وہی لوگ کان دھرتے ہیں جن کے دلوں میں خدا کا خوف ہو۔

❋ ❋ ❋

دولت فتنہ بھی تو ہے!

پوری کائنات کا مالک اللہ ہے۔ وہ جتنا چاہتا ہے اور جس کو چاہتا ہے عطا کر دیتا ہے۔ اسباب اور وسائلِ زیست یا فصلیں وغیرہ جتنی چاہتا ہے پیدا کرتا ہے اور تقسیم کر دیتا ہے۔ جیسا کہ ایک آیت میں فرمایا گیا ہے کہ خدا اپنے بندوں میں سے کسی کا بھی رزق جتنا چاہتا ہے بڑھا دیتا ہے۔ اسی طرح بعض کے رزق میں کمی کر دیتا ہے۔ اس کے اس کام کے پیچھے کوئی خاص حکمت ہوتی ہے۔ جن لوگوں کے رزق میں فراوانی ہو جاتی ہے اور جن لوگوں پر عرصۂ حیات' کمی رزق کی وجہ سے تنگ ہو جاتا ہے' یہ سب خدا کی طرف سے' ان دونوں طبقوں کے لیے ایک آزمائش ہوتا ہے۔ جو لوگ خدا کی نعمتوں کی کثرت پا کر تکبر میں مبتلا نہیں ہوتے بلکہ اس کا شکر بجا لاتے ہیں اور جب رزق کی تنگی ہو جائے تو ان کے پائے استقلال میں کوئی لغزش نہیں آتی اسی طرح جن لوگوں کو شروع ہی سے کم نعمتیں میسر آتی ہیں' وہ صبر و شکر کے ساتھ دنیاوی زندگی کا مختصر دورانیہ گزار دیتے ہیں' ان دونوں کو اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل ہو جاتی ہے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کے وہ الفاظ' جو قرآن مجید میں آئے ہیں' اس امر کو واضح کر دیتے ہیں کہ خدا کی نعمتیں' دراصل بندوں کے لیے ایک آزمائش اور ایک امتحان ہوتی ہیں:

﴿قَالَ الَّذِیْ عِنْدَهٗ عِلْمٌ مِّنَ الْكِتٰبِ اَنَا اٰتِیْكَ بِهٖ قَبْلَ اَنْ یَّرْتَدَّ اِلَیْكَ طَرْفُكَ فَلَمَّا رَاٰهُ مُسْتَقِرًّا عِنْدَهٗ قَالَ هٰذَا مِنْ فَضْلِ رَبِّیْ لِیَبْلُوَنِیْٓ ءَاَشْكُرُ اَمْ اَكْفُرُ وَ مَنْ شَكَرَ فَاِنَّمَا یَشْكُرُ لِنَفْسِهٖ وَ مَنْ كَفَرَ

فَاِنَّ رَبِّیْ غَنِیٌّ کَرِیْمٌ O ﴾ (سورۃ النمل : ۴۰)

''جس شخص کے پاس کتاب کا ایک علم تھا وہ بولا ''میں آپ کی پلک جھپکنے سے پہلے اسے لائے دیتا ہوں'' جونہی کہ سلیمانؑ نے وہ تخت اپنے پاس رکھا ہوا دیکھا' وہ پکارا اٹھا۔ ''یہ میرے رب کا فضل ہے تاکہ وہ مجھے آزمائے کہ میں شکر کرتا ہوں یا کافرِ نعمت بن جاتا ہوں اور جوکوئی شکر کرتا ہے' اس کا شکر اس کے اپنے لیے ہی مفید ہے' ورنہ کوئی ناشکری کرے تو میرا رب بے نیاز اور اپنی ذات میں آپ بزرگ ہے''۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کے یہ الفاظ۔ ''یہ میرے رب کا فضل ہے تاکہ وہ مجھے آزمائے کہ میں شکر کرتا ہوں یا کافرِ نعمت بن جاتا ہوں'' ان اسباب میں سے ایک سبب پر روشنی ڈالتے ہیں جن کی بنا پر خدا اپنے بندوں پر عنایات فرماتا ہے۔

جن چیزوں کو خدا قرآن میں ''ترغیبات دنیا'' قرار دیتا ہے یعنی دولت' اولاد' بیویاں' اعزہ واقرباء' مرتبہ ووقار' ذہانت' حسن' صحت' منافع بخش تجارت اور کامیابیاں وغیرہ' یہ سب کچھ دے کر' بندوں کو آزمائش میں ڈال دیا جاتا ہے تاکہ اس کی شکرگزاری یا ناشکرے پن کا امتحان لیا جا سکے۔

کفار کو نعمتیں کیوں ملتی ہیں؟:

اس دنیا میں بہت سے لوگ ایسے بھی ہیں جو خدا پر ایمان نہ رکھنے کے باوجود عیش وعشرت کی زندگی بسر کرتے ہیں' ان کے پاس بے شمار نعمتیں ہیں' سرسبز وشاداب زمینیں ہیں صحت مند بچے ہیں اور خوب بے فکری کی زندگی گزار رہے ہیں۔ لیکن وہ اللہ کی خوشنودی حاصل کرنے کی کوشش یا خواہش رکھنے کی بجائے اس سے دور تر ہوتے جا رہے ہیں۔ ان کی زندگی خدا سے بغاوت وسرکشی کی زندگی ہے۔ خوب جی بھر کر عصیان کماتے ہیں۔ خدا نے جو کچھ عطا کیا ہے۔ اسے اپنا استحقاق گردانتے ہیں

تاہم قرآن ہمیں ان کو دی گئی نعمتوں کا جو مقصد بتاتا ہے وہ یہ ہے:

﴿وَ لَا تُعْجِبْكَ اَمْوَالُهُمْ وَ اَوْلَادُهُمْ اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّعَذِّبَهُمْ بِهَا فِي الدُّنْيَا وَ تَزْهَقَ اَنْفُسُهُمْ وَ هُمْ كٰفِرُوْنَ ۝﴾

(سورۃ توبہ : ۸۵)

''ان کی مالداری اور ان کی کثرتِ اولاد تم کو دھوکے میں نہ ڈالے۔ اللہ نے تو ارادہ کر لیا ہے کہ اس مال و اولاد کے ذریعہ سے ان کو اسی دنیا میں سزا دے اور ان کی جانیں اس حال میں نکلیں کہ وہ کافر ہوں''۔

﴿وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنَّمَا نُمْلِيْ لَهُمْ خَيْرٌ لِّاَنْفُسِهِمْ اِنَّمَا نُمْلِيْ لَهُمْ لِيَزْدَادُوْٓا اِثْمًا وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ۝﴾

(سورۃ آل عمران : ۱۷۸)

''یہ ڈھیل جو ہم انہیں دیے جاتے ہیں اس کو یہ کافر اپنے حق میں بہتری نہ سمجھیں، ہم تو انہیں اس لیے ڈھیل دے رہے ہیں کہ یہ خوب بارِ گناہ سمیٹ لیں پھر ان کے لیے سخت ذلیل کرنے والی سزا ہے''۔

﴿فَذَرْهُمْ فِيْ غَمْرَتِهِمْ حَتّٰى حِيْنٍ ۝ اَيَحْسَبُوْنَ اَنَّمَا نُمِدُّهُمْ بِهٖ مِنْ مَّالٍ وَّ بَنِيْنَ ۝ نُسَارِعُ لَهُمْ فِي الْخَيْرٰتِ بَلْ لَّا يَشْعُرُوْنَ ۝﴾

(سورۃ المؤمنون : ۵۴ تا ۵۶)

''اچھا تو چھوڑو انہیں، ڈوبے رہیں اپنی غفلت میں، ایک وقت خاص تک، کیا یہ سمجھتے ہیں کہ ہم جو انہیں مال و اولاد سے مدد دیے جا رہے ہیں تو گویا انہیں بھلائیاں دینے میں سرگرم ہیں۔ اصل معاملے کا انہیں شعور نہیں ہے''۔

جیسا کہ ان آیات میں فرمایا گیا ہے ان لوگوں کے پاس جتنا کچھ مال و متاع ہے، درحقیقت ان کے لیے مفید نہیں ہے۔ انہیں جتنی مہلت دی گئی ہے یہ بھی صرف انہیں اپنے گناہوں میں اضافہ کرنے کے لیے دی گئی ہے۔ جب یہ مہلت ختم ہوگئی تو نہ انہیں دولت نفع دے گی، نہ اولاد اور نہ دنیاوی مراتب انہیں دردناک عذاب سے بچا سکیں گے۔ خدا نے پچھلی نسلوں کے واقعات بھی یاد دلائے ہیں جو کثیر مال و دولت رکھنے کے باوجود مبتلائے عذاب ہوئیں۔

مثلاً فرمایا گیا ہے:

﴿وَ كَمْ اَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِّنْ قَرْنٍ هُمْ اَحْسَنُ اَثَاثًا وَّ رِءْيًا ۝﴾

(سورۃ مریم : ۷۴)

''حالانکہ ان سے پہلے ہم کتنی ہی ایسی قوموں کو ہلاک کر چکے ہیں جو ان سے زیادہ سر و سامان رکھتی تھیں اور ظاہری شان و شوکت میں ان سے بڑھی ہوئی تھیں''۔

اس سے اگلی آیت میں ان لوگوں کو زیادہ مہلت دینے کا سبب بتایا گیا ہے:

﴿قُلْ مَنْ كَانَ فِي الضَّلٰلَةِ فَلْيَمْدُدْ لَهُ الرَّحْمٰنُ مَدًّا حَتّٰٓى اِذَا رَاَوْا مَا يُوْعَدُوْنَ اِمَّا الْعَذَابَ وَ اِمَّا السَّاعَةَ فَسَيَعْلَمُوْنَ مَنْ هُوَ شَرٌّ مَّكَانًا وَّ اَضْعَفُ جُنْدًا ۝﴾ (سورۃ مریم : ۷۵)

''ان سے کہو، جو شخص گمراہی میں مبتلا ہوتا ہے اسے رحمان ڈھیل دیا کرتا ہے، یہاں تک کہ جب ایسے لوگ وہ چیز دیکھ لیتے ہیں جس کا ان سے وعدہ کیا گیا ہے...... خواہ وہ عذابِ الٰہی ہو یا قیامت کی گھڑی...... تب انہیں معلوم ہو جاتا ہے کہ کس کا حال خراب ہے اور کس کا جتھہ کمزور ہے''۔

خدا انتہائی منصف و عادل اور بے حد رحم کرنے والی ہستی ہے۔ اس نے ہر چیز انتہائی دانشمندی و تدبر کے ساتھ اور نہایت احسن طریقے سے تخلیق کی ہے۔ اس نے ہر کسی کو اس کے اعمال کا پورا بدلہ دینے کا اہتمام کر رکھا ہے۔ اہلِ ایمان اس حقیقت سے آگاہی رکھتے ہوئے واقعات کا اس لیے جائزہ لیتے ہیں کہ خدا نے اس میں کیا کیا حکمتیں پوشیدہ رکھی ہیں۔ ورنہ تو لوگ خود فریبی کی دنیا میں زندہ رہتے اور حقائق سے بے خبری ہی میں زندگی گزار دیتے ہیں۔

کفار کو فوراً سزا کیوں نہیں ملتی؟

قرآن میں جن رازوں پر سے پردہ اٹھایا گیا ہے ان میں ایک راز یہ بھی ہے کہ منکرینِ حق کو ان کی بداعمالیوں پر فوری گرفت میں کیوں نہیں لے لیا جاتا' ان کی سزا ایک وقت معین تک مؤخر کیوں کر دی گئی ہے؟ اس کا سبب ذیل کی آیات میں بتایا گیا ہے:

﴿وَلَوْ يُؤَاخِذُ اللّٰهُ النَّاسَ بِمَا كَسَبُوْا مَا تَرَكَ عَلٰى ظَهْرِهَا مِنْ دَآبَّةٍ وَّ لٰكِنْ يُّؤَخِّرُهُمْ اِلٰى اَجَلٍ مُّسَمًّى فَاِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِعِبَادِهٖ بَصِيْرًا﴾ (سورة فاطر : ۴۵)

''اگر کہیں وہ لوگوں کو ان کے کیے کرتوتوں پر پکڑتا تو زمین پر کسی متنفس کو جیتا نہ چھوڑتا- مگر وہ انہیں ایک مقرر وقت تک کے لیے مہلت دے رہا ہے- پھر جب ان کا وقت آن پورا ہوگا تو اللہ اپنے بندوں کو دیکھ لے گا''-

---

﴿وَ رَبُّكَ الْغَفُوْرُ ذُو الرَّحْمَةِ لَوْ يُؤَاخِذُهُمْ بِمَا كَسَبُوْا لَعَجَّلَ لَهُمُ الْعَذَابَ بَلْ لَّهُمْ مَّوْعِدٌ لَّنْ يَّجِدُوْا مِنْ دُوْنِهٖ مَوْئِلًا﴾

(سورة الكهف : ۵۸)

''تیرا رب بڑا درگزر کرنے والا اور رحیم ہے- وہ ان کے کرتوتوں پر انہیں پکڑنا چاہتا تو جلدی ہی عذاب بھیج دیتا- مگر ان کے لیے وعدے کا

ایک وقت مقرر ہے اور اس سے بچ کر بھاگ نکلنے کی یہ کوئی راہ نہ پائیں گے"۔

بعض لوگوں کو ان کی بداعمالیوں کی چونکہ فوراً سزا نہیں ملتی اس سے وہ اس غلط فہمی کا شکار ہو جاتے ہیں کہ انہیں کسی محاسبے کا کبھی سامنا نہیں کرنا پڑے گا۔ یہی مفروضہ انہیں توبہ کرنے سے روکتا رہتا ہے نہ وہ پشیمان ہوتے ہیں اور نہ اپنی غلط کاریوں کی اصلاح کی ضرورت محسوس کرتے ہیں۔ علاوہ ازیں اس کی وجہ سے ان کی رعونت میں مزید شدت آ جاتی ہے۔ یہ عقل سے محروم لوگ اندازہ نہیں کر سکتے کہ اس کی وجہ سے تو آخرت میں ان کے لیے سزا مزید ناقابل برداشت ہو جائے گی۔ چنانچہ قرآن فرماتا ہے:

﴿وَ لَا يَحْسَبَنَّ الَّذِينَ كَفَرُوْا اَنَّمَا نُمْلِيْ لَهُمْ خَيْرٌ لِّاَنْفُسِهِمْ اِنَّمَا نُمْلِيْ لَهُمْ لِيَزْدَادُوْآ اِثْمًا وَّ لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ○﴾

(سورہ ال عمران : ۱۷۸)

"یہ ڈھیل جو ہم انہیں دیے جاتے ہیں۔ اس کو یہ کافر اپنے حق میں بہتری نہ سمجھیں۔ ہم تو انہیں اس لیے ڈھیل دے رہے ہیں کہ خوب بارِ گناہ سمیٹ لیں' پھر ان کے لیے سخت ذلیل کرنے والی سزا ہے"۔

خدا نے یہ تاخیر محض اس لیے کی ہے کہ انسان کی خوب اچھی طرح آزمائش ہو سکے' تاہم خدا اس کے لیے مقررہ وقت سے بخوبی آگاہ ہے جس پر یہ اپنے کیے کی سزا لازماً پائے گا۔ جب مقررہ وقت سر پر آ پہنچے گا' ایک لمحے کی بھی تاخیر نہیں ہوگی' چنانچہ خدا ہمیں بتاتا ہے کہ ہر کوئی اپنے اعمال کا لازماً نتیجہ دیکھ لے گا:

﴿وَ لَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّكَ لَكَانَ لِزَامًا وَّ اَجَلٌ مُّسَمًّى ○﴾

(سورۃ طٰہ : ۱۲۹)

''اگر تیرے رب کی طرف سے پہلے ایک بات طے نہ کر دی گئی ہوتی اور مہلت کی ایک مدت مقرر نہ کی جا چکی ہوتی تو ضرور ان کا بھی فیصلہ چکا دیا جاتا''۔

﴿وَ اُمْلِیْ لَهُمْ اِنَّ کَیْدِیْ مَتِیْنٌ ۝﴾ (سورة الاعراف : ۱۸۳)

''میں ان کو ڈھیل دے رہا ہوں' میری چال کا کوئی توڑ نہیں ہے''۔
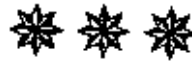
ماحاصل بحث

جو شخص قرآن مجید کا مطالعہ کرتا ہے' اس کے مضامین کو دل و دماغ میں بٹھاتا ہے' اپنی زندگی' اپنے گردوپیش کے حالات اور افراد کے رویوں کو ایک صاحبِ ایمان شخص کی نظر سے دیکھتا ہے اور خداوند کریم کو اپنا واحد دوست گردانتا ہے تو وہ قرآن میں بیان کردہ حقائق کو یقینی طور پر سمجھ سکتا ہے- کوئی واقعہ خواہ وہ معمولی ہو یا غیر معمولی' محض اتفاق یا توارد نہیں ہوتا' ہر واقعہ کے پیچھے خدا کا کوئی مقصد یا حکمت کارفرما ہوتی ہے- اگر لوگ خلوصِ نیت کے ساتھ خالقِ کائنات کی طرف رجوع کریں تو وہ اپنی حکمت سے انہیں مطلع فرما دیتا ہے-

جو شخص قرآنی حقائق تک پہنچ جائے اور اسرار زندگی کا خود مشاہدہ کر لے تو اسے مزید قربِ الٰہی حاصل ہو جاتا ہے یوں خدا سے اس کا تعلق مضبوط تر ہو جاتا ہے- زمین و آسمان کے خالق و مالک کی حکمتوں کو پا لینے والے لوگوں پر کائنات کے بہت سے عقدے وا ہو جاتے ہیں- اور ان پر یہ بات بھی واضح ہو جاتی ہے کہ خدا سے بڑھ کر ان کا کوئی والی اور نگہبان و محافظ نہیں ہو سکتا- جوں جوں ان پر حکمتیں اور اسرار کھلتے جاتے ہیں وہ کیف و مستی سے سرشار ہوتے چلے جاتے ہیں- جس پر خدا ان کی بصیرت میں مزید اضافہ کر دیتا ہے- خدا کا قرب پا لینے والے شخص کی زندگی دوسروں کو اگرچہ ایک عام سی لگتی ہے لیکن درحقیقت اس کی زندگی کا ہر لحہ غیر معمولی ہوتا ہے- خدا ان کیفیات سے ہر اس شخص کو سرشار کر دیتا ہے جو اس کی حکمتِ بالغہ کو سمجھنے کی مخلصانہ کوشش کر رہا ہو- جیسا کہ سورۃ الانبیاء کی آیت نمبر ۱۰۶ میں فرمایا گیا ہے:

﴿اِنَّ فِیۡ ہٰذَا لَبَلٰغًا لِّقَوۡمٍ عٰبِدِیۡنَ ۝﴾

''اس میں ایک بڑی خبر ہے عبادت گزار لوگوں کے لیے''-

نظریۂ ارتقاء: مخلوق کو خالق سے دور کرنے کی سازش

کائنات کا ذرہ ذرہ ایک عظیم تخلیق کی طرف اشارہ کرتا ہے' اس کے برعکس فلسفہ مادیت جو اس حقیقتِ تخلیق کا انکار کرنے کی کوشش کرتا ہے' ایک غیر سائنسی مغالطے (Fallacy) کے سوا کچھ نہیں ہے- اس کا باطل ہونا ثابت کر دیا جائے تو اس پر استوار تمام نظریات کی عمارت منہدم ہو جاتی ہے- ان میں سے سب سے زیادہ قابل ذکر نظریہ ''ڈارون ازم'' ہے جسے ''نظریۂ ارتقاء'' کہا جاتا ہے- اس نظریے کے علمبرداروں کا دعویٰ ہے کہ زندگی نے بعض اتفاقات (Coincidences) کے نتیجے میں غیر جاندار مادے سے جنم لیا- اگر ہم یہ تسلیم کر لیں کہ کائنات کا خالق اللہ ہے تو نظریۂ ارتقاء کی عمارت دھڑام سے جا نیچے گرتی ہے- امریکہ کے ممتاز ماہر فلکی طبیعیات (آسٹروفزسٹ) ہیو راس (Hugh Ross) نے اس مسئلے پر دلائل دیتے ہوئے کہا:

> ''الحاد' ڈارون ازم اور درحقیقت تمام ''ازم'' جو اٹھارہویں صدی سے لے کر ۲۰ویں صدی تک کے فلسفیانہ افکار میں سے ہیں' یہ مفروضے .....اس غلط مفروضے پر مبنی ہیں کہ کائنات لامحدود (Infinite) ہے اس منفرد صورت احوال نے ہمیں ایک سبب یا مسبب ....کائنات کے روبرو.......اس کے عقب میں یا ماورا ی لا کھڑا کیا ہے- جب کہ زندگی خود بھی اسی کائنات کا حصہ ہے'' یہ اقتباس فاضل مصنف کی کتاب (The Fingerprint of God) کے صفحے میں سے لیا

گیا ہے''۔

اس کائنات کا خالق اللہ تعالیٰ ہے جس نے نہ صرف اس کائنات کو بلکہ اس کے اندر موجود چھوٹے سے چھوٹے جزو تک کو اس مجموعی منصوبے کے مطابق خود ڈیزائن کیا ہے۔ اس لیے ''نظریۂ ارتقاء'' (The ory of evolution) جو یہ دعویٰ کرتا ہے کہ زندہ اجسام خدا کے پیدا کردہ نہیں بلکہ محض اتفاقات کے نتیجے میں ظہور پذیر ہو گئے ہیں' درست نہیں ہے۔

جب ہم اس نظریے پر غور کرتے ہیں' تو ہمیں اس پر کوئی حیرت نہیں ہوتی کیونکہ سائنسی تحقیق کہیں بھی اس کی تائید نہیں کرتی۔ زندگی کے خدوخال بے حد پیچیدہ اور حیرت انگیز ہیں۔ مثال کے طور پر' آپ پہلے بے جان اشیاء کو دیکھئے' ہم جب ان پر غور کرتے ہیں تو یہ بات سامنے آتی ہے کہ ایٹمی ذرات کس قدر نازک توازن کے ساتھ ایک دوسرے سے منسلک ہیں۔ پھر جب ہم جانداروں کی طرف آتے ہیں تو اس سے بھی بڑھ کر حیرت ہوتی ہے کہ ان ایٹموں کو کس اعلیٰ ترین نقشے کے تحت ایک دوسرے سے جوڑا گیا ہے۔ اور وہ کتنی غیر معمولی میکانیت اور ساختیں ہیں جن کو پروٹین' انزائمز اور سیلوں (خلیات) کی شکل میں ڈھالا گیا ہے۔ ۲۰ویں صدی کے اواخر میں منظر عام پر آنے والے' زندگی کے اس غیر معمولی ڈیزائن نے ڈارون ازم کو بالکل باطل قرار دے دیا ہے۔

میں نے ڈارون ازم پر اپنی دیگر تصانیف میں کافی روشنی ڈالی ہے' اور یہ سلسلہ ہنوز جاری ہے۔ تاہم اس کی اہمیت کی بناء پر' یہاں مختصراً اس کا جائزہ پیش کیا جا رہا ہے۔

ڈارون ازم کی سائنسی موت:

نظریۂ ارتقاء کی شروعات اگرچہ قدیم یونان سے ہوئی لیکن اس کی دھوم ۱۹

ویں صدی میں مچی' اسے دنیائے سائنس کا اہم موضوع بنانے میں چارلس ڈارون کی تصنیف ''آفرینش انواع'' (Origin of species) نے بڑا کردار ادا کیا جو ۱۸۵۹ میں شائع ہوئی تھی- اس کتاب میں ڈارون نے اس امر سے انکار کیا کہ زمین پر پائے جانے والے زندہ اجسام کو خدا نے الگ الگ پیدا کیا تھا' اس نے دعویٰ کیا کہ ان سب اجسام کا جد امجد ایک تھا- جس کی نسل میں آگے بڑھتے بڑھتے تھوڑی تھوڑی تبدیلیاں آتی چلی گئیں-

ڈارون کا نظریہ کسی ٹھوس سائنسی تحقیق پر استوار نہیں ہے بلکہ اس نے اپنی کتاب کے ایک طویل باب میں' جس کا عنوان ''نظریے میں پیچیدگیاں'' ہے تسلیم کیا کہ معاملہ بہت الجھا ہوا ہے- کیونکہ اس کی وجہ سے پیدا ہونے والے بہت سے تنقیدی سوالات کا جواب نہیں ملتا- جو کہ نظریے کی ناکامی کا ثبوت ہے- ڈارون نے نئی سائنسی دریافتوں سے بہت امیدیں وابستہ کیے رکھیں کہ شاید وہ ''نظریے میں پیچیدگیاں'' حل کرنے میں مدد دے سکیں- تاہم اس کی توقعات کے برعکس نئی سائنسی دریافتوں نے ان پیچیدگیوں کو پیچیدہ تر بنا کر رکھ دیا- سائنس کی پیش رفت کے مقابلے میں ڈارون ازم کی شکست و ہزیمت کا تین بنیادی موضوعات کے تحت جائزہ لیا جا سکتا ہے-

۱- یہ نظریہ اس سوال کی کوئی وضاحت نہیں کرتا کہ زمین پر زندگی کی ابتداء کیسے ہوئی؟-

۲- ایسی کوئی سائنسی تحقیق سامنے نہیں آئی جو اس نظریے میں تجویز کردہ ارتقائی مکینزم کے اندر قوتِ ارتقاء کی موجودگی ثابت کر سکتی ہو-

۳- طبقاتِ زمین میں سے کھدائی کے دوران برآمد ہونے والے جانوروں کے ڈھانچے ''متحجرات'' (Fossils) اس نظریے کے غلط اور بے بنیاد ہونے کا

ثبوت فراہم کر رہے ہیں۔

ذیل میں ہم ان تینوں بنیادی نقاط کا ایک اجمالی جائزہ پیش کریں گے:

پہلا سنگ گراں:

نظریہ ارتقاء کا پہلا مفروضہ یہ ہے کہ تمام زندہ انواع' ایک زندہ خلئے (Single Living cell) سے پھوٹیں جو تین ارب ۸۰ کروڑ برس پہلے سطح زمین پر پایا گیا تھا اس سے یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر واقعی ایسا ہوا ہے تو اس واحد خلئے نے لاکھوں کروڑوں پیچیدہ و متنوع اجسام کو کیسے جنم دیا؟ پھر ایسا ہونے کے آثار ان متحجرات کے ریکارڈ میں سے کیوں نہیں ملتے؟ یہ نظریہ ایسے بہت سے سوالوں کا جواب دینے سے قاصر ہے۔ تاہم مبینہ ارتقائی عمل کے پہلے قدم کا اول الاولین (First And Foremost) قدم کب اٹھا؟ یہ دریافت طلب ہے۔ یعنی پہلا خلیہ'' کب وجود میں آیا تھا؟

چونکہ نظریہ ارتقاء' آفرینش (Creation) کا انکار کرتا ہے۔ اور کسی قسم کی فوق الانسانی مداخلت کو تسلیم نہیں کرتا' ادعا کرتا ہے کہ اول الاولین خلیہ' قانونِ قدرت کے تحت محض اتفاقاً وجود میں آ گیا' اس کی تخلیق کے پیچھے کوئی منصوبہ' کوئی حکمت یا کوئی اہتمام نہیں تھا۔ یہ نظریہ کہتا ہے کہ بے جان مادے (Inanimate Matter) نے اتفاقات کے نتیجے ہی میں اولین جاندار خلئے کو تخلیق کر دیا ہوگا' لیکن یہ دعویٰ علم الحیات کے مستحکم اور ناقابل تردید قواعد سے واضح طور پر متصادم ہے۔

زندگی بروید از زندگی:

ڈارون نے اپنی کتاب میں ابتدائے آفرینش کا کہیں بھی حوالہ نہیں دیا۔ اس کے زمانے میں سائنسی سوجھ بوجھ' اس مفروضے پر استوار تھی کہ زندہ اجسام کی بناوٹ

بڑی سادہ سی ہے- قرون وسطیٰ کے اس نظریے کو وسیع پیمانے پر تسلیم کر لیا گیا تھا کہ غیر زندہ اجسام اکٹھے ہو کر زندہ اجسام کو وجود میں لے آتے ہیں' اس نظریے کو ''از خود تخلیق'' (Spontaneous Generation) کا نظریہ کہا جاتا تھا- عام طور پر خیال کیا جاتا تھا کہ کیڑے مکوڑے بچی کھچی خوراک میں سے جنم لیتے ہیں اور چوہے گندم میں سے پیدا ہوتے ہیں- اس نظریے کو ثابت کرنے کے لیے بڑے دلچسپ قسم کے تجربات کیے جاتے تھے- ان میں سے ایک یہ تھا کہ گندے کپڑے کے کسی ٹکڑے پر تھوڑی سی گندم ڈال دی جاتی اور خیال کیا جاتا تھا کہ بس ابھی ابھی چوہے پیدا ہونے لگیں گے-

اسی طرح گوشت میں کیڑے پڑ جانے کو ''از خود تخلیق'' کا مظہر تصور کیا جاتا تھا- تاہم انہیں بہت دیر بعد بات سمجھ میں آئی کہ ان کیڑوں کو مکھیاں' لاروں (Larvae) کی شکل میں لاتی ہیں' جو ننگی آنکھ (Naked eye) سے دکھائی نہیں دیتے-

ڈارون جس زمانے میں اپنی ''آفرینشِ انواع'' لکھ رہا تھا' اس دور میں بھی یہی عقیدہ ہوتا تھا کہ بیکٹیریا غیر زندہ مادے میں سے برآمد ہوگا' اس عقیدے کو سائنسدانوں نے بھی قبول کر رکھا تھا-

تاہم ڈارون کی کتاب چھپنے کے پانچ سال بعد لوئی پاسچر (LouisPasteur) کی دریافت نے اس عقیدے کو مسترد کر دیا جس پر کہ نظریۂ ارتقا کی عمارت کھڑی کی گئی تھی- پاسچر جس نتیجے پر پہنچا' اس کے طویل اور صبر آزما تجربات کا نچوڑ تھا' اس کا اظہار اس نے ایک جملے میں یوں کیا:

''بے جان مادے میں سے زندگی کے وجود میں آنے کا دعویٰ ہمیشہ کے لیے تاریخ کے قبرستان میں دفن ہو چکا ہے''-

نظریۂ ارتقاء کے علمبرداروں نے پاسچر کی تحقیق کے خلاف بڑے عرصے تک مزاحمت جاری رکھی تاہم چونکہ سائنس کی ترقی نے زندہ اجسام کے خلئے کی پیچیدہ ساخت کی گتھی کو سلجھا دیا تھا' اس لیے زندگی کے اتفاقی ظہور کا نظریہ پہلے سے بھی زیادہ الجھ گیا اور اس کے علمبرداروں نے خود کو بندگلی میں پھنسا ہوا پایا۔

۲۰ ویں صدی کی بے نتیجہ مساعی:

بیسویں صدی میں نظریۂ ارتقاء کا پہلا علمبردار جس نے اس موضوع پر غور و فکر شروع کیا ایک روسی بیالوجسٹ الیگزنڈر اوپرین (Alexander Oparin) تھا۔ اس نے ۱۹۳۰ کے عشرے میں کئی مقالے لکھے اور یہ ثابت کرنے کی کوشش کی کہ زندہ جسم کا خلیہ اتفاقاً جنم لے سکتا ہے' مگر وہ کسی کو قائل نہ کر سکا' اس کی ساری مساعی پر پانی پھر گیا' بالآخر وہ اس اعتراف پر مجبور ہو گیا:

> ''بد قسمتی سے خلئے کی ابتداء بدستور ایک متنازعہ مسئلہ ہے جو کہ نظریۂ ارتقاء کے لیے ایک تاریک ترین نقطہ ہے''۔ (حوالے کے لیے ملاحظہ کیجیے اوپرین کی تصنیف ''دی اوریجن آف لائف'' مطبوعہ نیویارک ڈوور پبلی کیشنز' ۱۹۵۳' ص ۱۹۶)

اوپرین کے متبعین نے اس ''تاریک ترین نقطے'' کو حل کرنے کے لیے تجربات کا سلسلہ جاری رکھا' ان میں سے بہترین تجربات امریکی ماہر کیمیا سٹینلے ملر (Staneley Miller) کے تھے جو ۱۹۵۳ میں کیے گئے۔ اس نے مختلف گیسوں کو جو زمانہ قدیم سے زمینی فضا میں (اس کے کہنے کے مطابق) پائی جاتی تھیں' اپنے تجرباتی نظام میں' آپس میں ملایا' پھر اس مکسچر میں انرجی شامل کر کے متعدد نامیاتی مالیکیولز (امائنو ایسڈز) کا مرکب تیار کیا جو کہ پروٹینی ساخت میں پائے جاتے ہیں۔ بمشکل چند سال گزرے تھے کہ اس کا یہ تجربہ' جو ارتقاء کے نام پر ایک اہم

قدم کے طور پر کیا گیا تھا' ناکام ہوگیا- تجربے میں جو زمینی فضا استعمال کی گئی تھی زمین کے حقیقی حالات سے بہت مختلف تھی-

چنانچہ ملر نے طویل خاموشی کے بعد اعتراف کیا کہ اس نے جو فضائی وسیلہ (Atmosphere Medium) استعمال کیا تھا غیر حقیقی تھا- (ملاحظہ ہو ''قدیم فضائی ارتقاء اور زندگی کے بارے میں نئے شواہد'' مجلہ امریکن میٹریولاجیکل سوسائٹی جلد ۶۳ مطبوعہ نومبر ۱۹۸۲' صفحات ۱۳۳۰' ۱۳۲۸)

۲۰ ویں صدی کے علمبردارانِ نظریۂ ارتقاء نے ''آغاز حیات'' کی وضاحت کے سلسلے میں جتنی کوششیں کیں سب اکارت گئیں- (دیکھیے سٹینلے ملر کی تصنیف ''مالیکیولر ایوولیوشن آف لائف''..... مطبوعہ ۱۹۸۶ ص ۷) سان ڈائیگو سکرپس انسٹی ٹیوٹ کے ماہر ارضی کیمیا جیفرے بادا (Jeffrey Bada) نے اس حقیقت کا اعتراف ایک مضمون میں کیا جو ۱۹۹۸ میں ''ارتھ'' میگزین میں شائع ہوا: اس نے لکھا:

> ''آج جب ۲۰ ویں صدی ہم سے رخصت ہو رہی ہے' ہم اب بھی اسی لاینحل مسئلے سے دو چار ہیں' جس کے ساتھ ہم اس صدی کے اندر داخل ہوئے تھے- یعنی روئے زمین پر زندگی کا ظہور کیسے ہوا'' (اشاعت فروری صفحہ ۴۰)

زندگی کی پیچیدہ ساخت:

آفرینشِ حیات کے بارے میں علمبردارانِ ارتقاء کے شدید الجھاؤ میں پھنس جانے کا بنیادی سبب یہ ہے کہ انتہائی سادہ دکھائی دینے والے زندہ اجسام بھی حیرت انگیز حد تک پیچیدہ ساخت کے حامل ہوتے ہیں- ایک زندہ جسم کا خلیہ انسان کی تیار کردہ تمام فنی مصنوعات کی بہ نسبت زیادہ پیچیدہ ہوتا ہے- آج دنیا کی انتہائی ترقی

یافتہ لیبارٹریاں بھی بے روح مادوں کو ملا کر بھی ایک زندہ خلیہ تیار کرنے پر قادر نہیں ہو سکتیں۔

ایک خلیہ کے لیے درکار اشیاء اور حالات کی تعداد اتنی زیادہ ہوتی ہے کہ اتفاقات کے حوالے سے ان کی کوئی وضاحت نہیں جا سکتی۔ پروٹین جو خلیے کی تعمیر کے لیے بلاکوں کی حیثیت رکھتی ہے' اس کے اتفاقاً مطلوبہ شکل اختیار کر لینے کے امکانات "۱۰^۹۵۰" میں سے "۱" کے تناسب سے موجود ہو سکتے ہیں' یہ اعداد ۵۰۰' امائنو ایسڈز سے بننے والے ایک اوسط پروٹینی خلئے کے ہیں۔ ریاضیاتی زبان میں یہ امکان ۱/ ۱۰^۵۰ سے بھی چھوٹا ہے' لہٰذا اسے عملاً "عدم امکان" یعنی (Impossible) کہا جا سکتا ہے۔

ڈی' این' اے کا ایک مالیکیول' جو ایک خلئے کے نیوکلیئس میں ہوتا ہے' اور جس کے اندر نسلی خصوصیات کی معلومات سٹور ہوتی ہیں' یہ بھی ایک محیر العقول ذخیرۂ معلومات (Databank) ہوتا ہے۔ اندازہ لگایا گیا ہے کہ اگر ایک ڈی این اے کے اندر مرتکز معلومات کو لکھا جاتا تو ایک عظیم لائبریری وجود میں آ جاتی جس میں ۹۰۰ جلدوں پر مشتمل انسائیکلو پیڈیا ہوتی' اور ان میں سے ہر جلد ۵۰۰ صفحات کی ہوتی۔

اس نقطے پر ایک دلچسپ مجمع الضدین (Dilemma) سامنے آتا ہے: ڈی این اے کا مثنیٰ (Replication) خاص قسم کی پروٹینز (انزائمز) سے ہی تیار کیا جا سکتا ہے۔ تاہم ان انزائمز کی تالیف' ڈی این اے کے اندر مرتکز معلومات کی مدد سے کی جا سکتی ہے۔

چونکہ دونوں کو ایک دوسرے پر انحصار کرنا ہے' اس لیے انہیں ایک ساتھ زندہ رہنا ہے۔ ورنہ نہیں۔ اس طرح یہ منظر نامہ کہ زندگی نے از خود جنم لیا' اپنے آپ

غائب ہو جاتا ہے- چنانچہ سان ڈائیگو' کیلی فورنیا کے ممتاز ماہر نظریۂ ارتقاء پروفیسر لیز لی نے اس حقیقت کا اعتراف' سائنٹیفک امریکن میگزین کے شمارہ ستمبر ۱۹۹۴ میں' ان الفاظ میں کیا:

> ''یہ امر محالات میں سے ہے کہ پروٹینز اور نیوکلئیک ایسڈز جو ساختیاتی اعتبار سے بے حد پیچیدہ ہیں' دونوں کے دونوں ایک ہی وقت پر اور ایک ہی جگہ پر اتفاقاً پیدا ہو گئے- اور یہ بھی بے حد ناممکن نظر آتا ہے کہ ان میں سے ایک دوسرے کے بغیر رہ سکتا ہے- چنانچہ انسان اس نتیجے پر فوراً پہنچ جاتا ہے کہ زندگی کیمیائی ذرائع سے وجود میں ہرگز نہیں آئی ہو گی (لیز لی' ای' آرجل- ''دی آریجن آف لائف آن ارتھ'' سائنٹیفک امریکن' جلد ۲۷۱' شمارہ اکتوبر ۱۹۹۴ صفحہ ۷۸)

اس میں کوئی شک نہیں کہ اگر زندگی کا قدرتی اسباب سے وجود میں آنا' ناممکن ہے تو پھر یہ امر تسلیم کرنا پڑے گا کہ زندگی نے مافوق الفطری طریقے سے ''جنم'' لیا ہے- یہ حقیقت واضح طور پر اس نظریۂ ارتقاء کو باطل قرار دیتی ہے جس کا واحد مقصد نظریۂ تخلیق سے انکار کرنا ہے-

ارتقاء کی فرضی میکانیات:

دوسرا اہم نقطہ جو ڈارون کے نظریے کی نفی کرتا ہے' یہ ہے کہ یہ نظریہ ''ارتقائی میکانیات' کے لیے دو تصورات پیش کرتا ہے اور وہ دونوں ہی درحقیقت اپنے اندر کوئی ارتقائی قوت نہیں رکھتے- ڈارون نے اپنے ارتقائی مفروضے کی پوری عمارت کی بنیاد ''قدرتی انتخاب'' (Natural Selection) پر استوار کی ہے- اس میکانیات کو وہ جو اہمیت دیتا ہے اس کا اظہار اس کی کتاب.... ''آفرینش انواع بذریعہ فطری انتخاب'' (The origin of species by means of natural

(selection) سے ہوتا ہے۔ ''فطری انتخاب'' سے اس کی مراد یہ ہے کہ ایسے زندہ اجسام جو دوسروں سے مضبوط تر ہیں اور فطری حالات کے مطابق ڈھلنے کی زیادہ صلاحیت رکھتے ہیں' زندگی کے دوڑ میں صرف وہی کامیاب رہیں گے۔ مثال کے طور پر ہرنوں کے جس گلے پر وحشی درندے حملہ کر دیں تو ان میں سے وہی زندہ رہ سکیں گے جو تیز تر بھاگ سکیں گے۔ لہٰذا زندہ رہنے کے لیے ان کا گلہ تیز تر اور مضبوط تر ہو جانے کے ''عمل'' کے تحت یہ ہرن خود کو کسی دوسری زندہ نوع (Living specie) میں نہیں ڈھال سکتے' یعنی وہ گھوڑے نہیں بن سکتے۔

اس لیے ''فطری انتخاب کے عمل'' کے اندر کوئی ارتقائی قوت موجود نہیں ہوتی۔ اس حقیقت سے ڈارون خود بھی آگاہ تھا چنانچہ اس نے اپنی کتاب ''آفرینش انواع'' میں یوں کہا:

> ''فطری انتخاب اس وقت تک کچھ نہیں کر سکتا جب تک کہ سازگار حالات رونما نہیں ہو جاتے''۔

یہ ''سازگار حالات'' کیسے رونما ہو سکتے تھے؟ ڈارون نے اس سوال کا جواب اپنے دور کے اس سائنسی فہم کے مطابق دینے کی کوشش کی جو ابھی اپنے دور طفولیت سے گزر رہا تھا۔ جب کہ فرانسیسی ماہر حیاتیات لامارک (Lamarck) نے جو ڈارون سے پہلے گزرا ہے' کہا کہ تمام زندہ جانور اپنی زندگی کے دوران جتنی خصوصیات کا اکتساب کرتے ہیں' اگلی نسل کو منتقل کر دیتے ہیں' اس طرح وہ ایک نسل سے دوسری نسل میں منتقل ہوتے اور جمع ہوتے ہوتے نئی انواع کو جنم دیتے رہتے ہیں۔ اس سلسلے میں لامارک نے ''زرافے'' کی مثال دی جو اس کے خیال کے مطابق ''چکارے'' (Antelope) کی ترقی یافتہ نوع ہے۔ چونکہ وہ اونچے اونچے درختوں کے پتے کھانے کی خاطر اپنی گردن کو لمبی سے لمبی کرنے کی کوشش کرتا رہا'

اس لیے اس کی ہر نسل کی گردن کھینچ کھینچ کر طویل ہوتی چلی گئی بالآخر چکارا' نئی نوع زرافہ میں تبدیل ہوگیا۔

ڈارون نے بھی ایسی ہی مثالیں دی ہیں' اس نے اپنی تصنیف ''آ فریجنش انواع'' میں کہا کہ بعض ریچھ خوراک کی تلاش میں دریاؤں میں اترنے لگے' جس سے ان کی خصوصیات تبدیل ہوتی گئیں حتیٰ کہ چند صدیوں میں وہ وہیل (Whale) بن گئے۔

تاہم مینڈیل (Mendel) کے دریافت کردہ قوانینِ توارث نے' جن کی توثیق ۲۰ویں صدی میں فروغ پانے والی سائنس آف جینیٹکس (علم جنیات) نے بھی کردی ہے اکتسابی خصوصیات کی اگلی نسلوں میں منتقلی کے مفروضے کو بالکل غلط اور بے بنیاد قرار دے دیا۔ اس طرح ''قدرتی انتخاب'' بطور ذریعۂ ارتقاء کا معاملہ بالکل صاف ہوگیا۔

ڈارونیتِ نو اور عمل تغیرات:

مسئلے کا حل تلاش کرنے کے لیے ڈارون کے پیروکاروں نے ۱۹۳۰ کے عشرہ کے اواخر میں ''جدید نظریۂ تالیف'' پیش کردیا جسے عرف عام میں ''ڈارونیتِ نو'' کہا جاتا ہے۔ اس کے لیے انہوں نے نظریے میں ''تغیرات'' (Mutations) کا اضافہ کردیا جو جانداروں کے جینز (Genes) میں بیرونی عوامل مثلاً تابکاری وغیرہ کی وجہ سے پیدا ہونے والے بگاڑ (Distortions) تھے۔ ان ''تغیرات'' کو سازگار عوامل کے اثرات کا نام دے دیا گیا۔

آج کی دنیا میں ''ارتقاء'' کے عنوان سے جو ''ڈارونیتِ نو'' پہچانی جاتی ہے اس میں کہا گیا ہے کہ روئے زمین پر پائے جانے والے لاکھوں زندہ اجسام کا وجود اس طریق کار (Process) کا نتیجہ ہے جس کے تحت ان اجسام کے پیچیدہ ترین

اعضاء مثلاً کان' آنکھیں' پھیپھڑے یا پر (Wings) وغیرہ عمل تغیر میں سے گزرے ہیں۔ یعنی ان میں ''جنیاتی بگاڑ'' (Genetic Disorder) رونما ہوا۔ تاہم یہ ایک سیدھی سادی حقیقت ہے جس نے اس نظریے کا پورا نقشہ ہی بدل کر رکھ دیا ہے یعنی تغیرات زندہ اجسام کی ترقی کا باعث نہیں بنتے بلکہ اس کے بالکل برعکس انہیں نقصان سے دوچار کرتے ہیں۔

اس کا سبب بہت سادہ اور سہل الفہم ہے۔ ڈی این اے (D,N,A) ایک بڑی پیچیدہ ساخت رکھتا ہے' اس میں رونما ہونے والی بے ترتیبی اسے محض نقصان ہی پہنچا سکتی ہے۔ امریکی ماہر جنیات (Geneticist) بی' جی رنگا ناتھن نے اس کی یوں وضاحت کی ہے:

> ''تغیرات (Mutations) چھوٹے' بے ترتیب' بے سمت اور ضرر رساں ہوتے ہیں۔ یہ کبھی کبھار رونما ہوتے ہیں' زیادہ تر امکان یہ ہوتا ہے کہ یہ غیر موثر ہوں گے۔ تغیرات کی چاروں خصوصیات اس امر کی غمازی کرتی ہیں کہ وہ ارتقاء کی جانب رہنمائی نہیں کرسکتیں۔ اعلیٰ خصوصیات رکھنے والے اجسام میں اچانک تبدیلی یا تو غیر موثر ہوتی ہے یا مضر ہوتی ہے۔ گھڑی میں اچانک پیدا ہونے والی تبدیلی ''گھڑی کو ترقی نہیں دے سکتی۔ زلزلہ کسی شہر کو ترقی نہیں دیتا بلکہ تباہی لاتا ہے''۔

یہ امر باعث تعجب نہیں ہے کہ تغیر کی کوئی مثال جو مفید ہو' اب تک مشاہدے میں نہیں آئی۔ تمام تغیرات نقصان دہ ثابت ہوئے ہیں یہ بات متحقق ہو چکی ہے کہ جس تغیر کو ''ارتقائی مکینزم'' قرار دیا گیا ہے وہ دراصل ایک جنیاتی حادثہ ہوتا ہے جو زندہ اجسام کو نقصان پہنچاتا اور انہیں اپاہج بنا کر چھوڑ دیتا ہے۔ (انسانوں کے لیے تغیر کا عام اثر کینسر کی صورت میں رونما ہوتا ہے) اس میں کسی کو شبہ نہیں ہونا چاہیے کہ تباہ کن مکینزم' ارتقائی

مکینزم نہیں ہوسکتا۔ اس کے برعکس "فطری انتخاب" (Natural Selection) جیسے کہ ڈارون نے بھی قبول کیا ہے "از خود کچھ بھی نہیں کر سکتا" اس سے یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ کارخانہ فطرت میں کوئی "ارتقائی مکینزم" موجود نہیں ہے۔ چونکہ ارتقائی مکینزم کا کوئی وجود نہیں تو ارتقاء کے نام کا کوئی تخیلاتی عمل (Process) بھی رونما نہیں ہوا ہے۔

متحجرات کا ریکارڈ: درمیانی کڑیوں کا فقدان:

نظریۂ ارتقاء کا کوئی واضح اور قابلِ یقین ثبوت متحجرات (Fossil) ریکارڈ میں سے نہیں ملتا۔ اس نظریہ کے علمبرداروں کے مطابق آج جتنی زندہ انواع (Species) پائی جاتی ہیں وہ اپنے اجداد کی نسل میں سے ہیں جو پہلے کسی اور شکل میں ہوا کرتی تھیں، ہر نسل میں کچھ خصوصیات، توارث سے اور کچھ ان کی اپنی تگ ودو سے پیدا ہوتی رہیں۔ اس طرح ہزاروں لاکھوں سال میں ان کے وجود میں تھوڑا بہت ردوبدل ہوتا چلا گیا۔

مثال کے طور پر ماضی میں کوئی نیم مچھلی / نیم چھپکلی ہوا کرتی ہوگی جس میں کچھ خصوصیات مچھلی کی اور کچھ چھپکلی کی تھیں، اس کی اگلی نسل میں کچھ اپنی اصلی تھیں اور کچھ اس نے اپنے اجداد سے پائیں۔ یا کچھ "چھپکلی پرندے" (Reptile-Birds) موجود ہوتے تھے جنہوں نے کچھ خصوصیات پرندوں سے لیں اور انہیں اپنی چھپکلی کی خصوصیات میں شامل کر لیا۔ چونکہ یہ اپنے عبوری دور میں ہوئیں اس لیے انہیں اپاہج اور ناقص شکل میں زندہ پائے جانا چاہیے تھا۔ اس نظریہ کے علمبرداران فرضی مخلوقات کا حوالہ دیتے ہیں جو ماضی میں اپنی "عبوری شکل" میں موجود رہی ہیں۔

اگر ایسے جاندار واقعی موجود تھے تو آج وہ لاکھوں بلکہ کروڑوں کی تعداد میں، متنوع اشکال میں پائے جاتے۔ اس سے بھی زیادہ اہم بات، اس نظریے کی رو سے

یہ ہوتی کہ ان عجیب الخلقت جانداروں کے وجود کا ریکارڈ' متحجرات میں سے برآمد ہونا چاہیے تھا۔ ڈارون نے اپنی کتاب ''آفرینشِ انواع'' میں خود واضح طور پر کہا ہے:

''اگر میرا نظریہ درست ہوتا تو بے شمار درمیانی انواع' جن میں دوسری انواع کی بھی کچھ کچھ خصوصیات موجود ہوتیں' لازماً پائی جانی چاہیے تھیں......نتیجتاً ان کی سابق موجودگی (Former existence) متحجرات میں سے ضرور برآمد ہوتیں''۔

امیدیں ناامیدی میں بدل گئیں:

تاہم علمبردارانِ نظریہ ارتقاء ۱۹ ویں صدی کے وسط سے دنیا بھر میں اپنی زبردست مساعی بروئے کار لا رہے ہیں مگر ابھی وہ ''عبوری خصوصیات'' (Transitional Forms) کی حامل انواع دریافت نہیں کر سکے۔ بیشمار کھدائیوں سے برآمد ہونے والے متحجرات سے ان کے نظریے کا درست ہونا تو کیا ثابت ہوتا بلکہ ان کی توقعات کے برعکس شواہد ملے۔ یعنی روئے زمین پر زندگی اچانک اور پوری کی پوری شکل میں نمودار ہوئی۔

برطانیہ کے ممتاز ماہر قدیم حیاتیات ''ڈیرک وی ایجر'' (Derek V. Ager) نظریۂ ارتقاء کا حامی ہونے کے باوجود اس حقیقت کا اعتراف کرتے ہوئے لکھتا ہے:

''اصل نقطہ یہ ہے کہ اگر ہم متحجرات (Fossil Record) کا تفصیلی مطالعہ کریں' خواہ صنفی طور پر یا نوعی لحاظ سے' تو یہ امر منکشف ہوتا ہے اور....... بار بار ثابت ہوتا ہے کہ.......تدریجی ارتقاء واقع نہیں ہوا بلکہ ایک گروپ کے مفقود ہو جانے کے بعد اچانک ایک دوسرے گروپ کا ظہور ہوا ہے۔ (''متحجرات کی نوعیت'' مصنفہ ڈیرک اے ایجر..... ''پروسیڈنگز آف دی برٹش جیالوجیکل ایسوسی ایشن جلد ۸۷...۱۹۷٦ صفحہ نمبر ۱۳۳'')

اس کا مطلب بالکل واضح ہے کہ متحجرات کا ریکارڈ یہ شہادت دے رہا ہے کہ تمام زندہ انواع' اپنی حتمی شکل میں اچانک نمودار ہوئیں' ان کے جداعلیٰ کی شکل اور ان کی موجودہ شکل کے درمیان ملی جلی خصوصیات اور اشکال (Intermediate Forms) والی کوئی انواع نہیں پائی گئیں- یہ حقیقت نظریہ ڈارون کے مفروضات کے بالکل برعکس ہے- جو اس امر کی ٹھوس شہادت ہے کہ زندہ اجسام تخلیق کے ذریعہ وجود میں آئے- ان اجسام کی موجودگی کی واحد وضاحت یہ ہے کہ ان کا اپنی ''کامل شکل'' میں اور اچانک ظہور ہوا' ان کا کوئی ''ارتقائی مورثِ اعلیٰ'' (Evolurtionary Ancestor) نہ تھا- اس حقیقت کو ممتاز ارتقائی ماہر حیاتیات ڈگلس فوچوما نے بھی تسلیم کیا ہے:

> ''نظریہ تخلیق اور نظریہ ارتقاء کے مابین' زندہ اجسام کے وجود سے متعلق جتنی ممکنہ وضاحتیں ہوسکتی ہیں وہ سب دم توڑ چکی ہیں- یہ اجسام یا تو روئے زمین پر اپنی حالتِ کامل میں نمودار ہوئے یا ایسا نہیں ہوا- اگر ایسا نہیں ہوا تو وہ لازماً کسی عملِ ترمیم کے ذریعے پہلے سے موجود انواع میں سے بذریعہ ارتقاء پیدا ہوئے ہوں گے- اگر وہ اپنی کامل شکل میں نمودار ہوئے ہیں تو انہیں یقیناً کسی قادرِ مطلق ذہانت نے تخلیق کیا ہے''-

متحجرات اس امر کا واضح ثبوت پیش کرتے ہیں کہ زندہ اجسام اپنی موجودہ ترقی یافتہ شکل اور حالتِ کامل میں سطحِ زمین پر تخلیق ہوئے- اس کا مطلب یہ ہے کہ ''آفرینشِ انواع'' ڈارون کے مفروضے کے بالکل برعکس' بذریعہ ارتقاء نہیں بلکہ ''بذریعہ تخلیق'' ہوئی-

ارتقائے انسان کی اصل کہانی

علمبردارانِ نظریۂ ارتقاء' جس نظریے کو بالعموم زیرِ بحث لاتے ہیں وہ ''آفرینشِ انسان'' (Origin of Man) ہے- ان کا دعویٰ ہے کہ جدید دور

کے انسانوں نے کسی بندر نما مخلوق کے جسد سے ترقی پا کر موجودہ شکل پائی ہے- اس مبینہ ارتقائی عمل کے دوران جو ۴۰ یا ۵۰ لاکھ سال پہلے شروع ہوا تھا' جدید انسان اور اس کے جدامجد کے درمیان انسانوں کی چند عبوری شکلیں ہوا کرتی تھیں- یہ ایک مکمل فرضی منظر نامہ گھڑا گیا ہے جس کے چار زمرے بیان کیے گئے ہیں:

۱- آسٹرالوپتھیکس (Austrolopithecus)

۲- ہوموہیبلیس (Homo Habilis)

۳- ہومواریکٹس (Homo Erectus)

۴- ہوموسیپئنز (Homo Sapiens)

علمبردارانِ نظریۂ ارتقاءٔ انسان کے اولین بندر نما مورثِ اعلیٰ کو ''آسٹرالوپتھیکس'' کا نام دیتے ہیں جس کے معنی جنوبی افریقی بندر کے ہیں- یہ زندہ وجود دراصل بندر کی ایک پرانی قسم سے زیادہ کچھ نہیں تھی جواب معدوم ہو چکی ہے- آسٹرالوپتھیکس پر انگلینڈ اور امریکہ کے دو نامور ماہرینِ تشریح الابدان لارڈ سولی زکرمین (Solly Zuckerman) اور پروفیسر چارلس آکسنارڈ (Charles Oxnard) نے بڑی طویل تحقیق کی اور اس نتیجے پر پہنچے کہ یہ عام قسم کے بندر کی انواع تھیں جواب بالکل معدوم ہو چکی ہیں اور ان کی انسان کے ساتھ معمولی سی بھی مشابہت نہیں تھی-

مبینہ انسانی ارتقاء کا اگلا مرحلہ..... (Homo) یعنی ''انسان'' ہے- علمبردارانِ نظریۂ ارتقاء کے دعوے کے مطابق جاندار مخلوق کی ''ہومو'' سیریز افریقی بندر' آسٹرالوپتھیکس کے مقابلے میں زیادہ ترقی یافتہ ہے- ارتقاء کے دعویدار مختلف انسانی ڈھانچوں کو ایک خاص ترتیب سے جوڑ کر ایک فرضی سکیم پیش کرتے ہیں اور یہ ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ ان مختلف زمروں کے درمیان ارتقائی تعلق پایا

جاتا ہے- ارنسٹ مائر (Ernst Mayr) نے جو۲۰ویں صدی میں اس نظریے کا اولین جوشیلا وکیل تھا' اس حقیقت کا اعتراف کیا کہ "ہوموسیپینز تک پہنچنے والی کڑی دراصل گم ہو چکی ہے"- چاروں متذکرہ انواع کی کڑیوں کو جوڑنے کے بعد ان لوگوں نے تان اس دعوے پر توڑی کہ ان انواع میں سے ہر ایک نوع' دوسری نوع کی مورث اعلیٰ ہے- تاہم قدیم انسان پر تحقیق کرنے والے جدید ماہرین نے انکشاف کیا ہے کہ آسٹرالوپتھیکس ہوموہیبلیس اور ہوموایریکٹس' ایک ہی وقت میں دنیا کے مختلف حصوں میں پائے جاتے تھے- ان میں کوئی تقدم وتأخر نہ تھا-

مزید برآں ہومو ایریکٹس کے زمرہ میں سے انسانوں کی ایک خاص تعداد اس جدید دور میں بھی پائی گئی تھی- ہوموسیپسن' نینڈر تھیلینیس (Neanderthalenesis) جو وسط حجری دور کے انسان سے مشابہ تھا اور ہوموسیپنز (جدید دور کا انسان) اس خطے میں ایک ساتھ زندہ رہے- ("ٹائم" شمارہ نومبر ۱۹۹۶)

یہ صورت حال اس دعوے کی تردید کرتی ہے کہ یہ زمرے ایک دوسرے کے مورثِ اعلیٰ تھے- ہارورڈ یونیورسٹی کے ایک ماہرِ انسانِ قدیم سٹفین جے گولڈ (stephen jay gould) نے جو اگرچہ خود بھی نظریۂ ارتقاء کا حامی ہے اس نظریے کے اس تعطل کی یوں وضاحت کی:

"اگر انسانوں کے یہ تینوں زمرے روئے زمین پر بیک وقت موجود پائے گئے ہیں تو معلوم نہیں کہ اس سلسلہ مدارج کا کیا بنے گا؟ علاوہ ازیں یہ بھی سامنے آیا ہے کہ ان تینوں میں سے کسی ایک نے بھی دنیا میں اپنی زندگی کے دوران اپنے اندر ارتقائی رجحان کا مظاہرہ نہیں کیا"

مختصراً یہ کہ ارتقائے انسان کا یہ منظر نامہ جسے ہم نے اپنی اپنی نصابی کتابوں

اور رسالوں میں ''آدھے انسان اور آدھے بندر'' کی ڈرائنگز بنا بنا کر درست ثابت کرنے کی کوشش کی ہے ایک داستان کے سوا کوئی حیثیت نہیں رکھتا' کیونکہ اس کی کوئی سائنسی بنیاد نہیں ہے۔

لارڈ سولی زکرمین جو برطانیہ کے بے حد قابل احترام سائنسدانوں میں سے ہے اور جس نے پندرہ سال سے زائد عرصہ ان متحجرات پر بڑی دقت نظری سے تحقیق کی ہے' اس نظریے کا حامی ہونے کے باوجود اپنی تحقیق کا ماحصل ان الفاظ میں بیان کیا کہ ''درحقیقت انسانی نسلوں کا کوئی ایسا شجرہ دستیاب نہیں ہے جو بندر نما انسانوں میں سے جدید انسانوں کی شاخ کو برآمد ہوتے دکھا سکتا''۔

زکرمین نے ایک دلچسپ سائنسی طیف (Scientific Spectrum) بھی بنائی جو سائنسی حقائق سے لے کر غیر سائنسی رویوں تک کے مدارج کی نشاندہی کرتی ہے۔ اس نے طیف کے ایک سرے پر ''انتہائی سائنسی'' (The most scientific) علوم یعنی ٹھوس ڈیٹا پر انحصار کرنے والی سائنسز فزکس اور کیمسٹری وغیرہ کو رکھا' ان کے بعد بیالوجیکل سائنسز کو درجہ دیا' اس کے نیچے سوشل سائنسز کو رکھا۔ جب کہ طیف کے آخری سرے پر انتہائی ''غیر سائنسی'' چیزوں مثلاً ٹیلی پیتھی اور چھٹی حس کو ظاہر کیا اور اس سے بھی پرے ارتقائے انسان کا ''ذکر'' کیا۔ اور اسے اس طرح واضح کیا:

> ''پھر معروضی سچائیوں کے رجسٹر سے ہٹ کر فرضی حیاتیاتی سائنسوں کے شعبوں کی طرف آتے ہیں جو ظن و تخمین یا انسانی متحجرات کی تاریخ کی تعبیر و تشریح کے کھلے میدان ہیں' جہاں ہم اہلِ ایمان (علمبردارانِ ارتقاء) کے لیے سب کچھ ممکن ہے' جہاں ایک پر جوش علمبردارِ نظریہ چاہے تو بیک وقت کئی باہمی متناقض خیالات کا پھریرا اڑاتا رہے''۔ سولی زکرمین:

گوشۂ عزلت کے عقب میں" (Beyond ivory tower)
نیو یارک ٹاپلنگر پبلی کیشنز ۱۹۷۰ صفحہ ۱۹)

انسان کے نظریۂ ارتقاء کی یہ کہانی، زمین کی کھدائی سے برآمد ہونے والے متحجرات (Fossils) کی متعصبانہ تعبیر سے زیادہ کوئی حیثیت نہیں رکھتی، اس پر آنکھوں کے اندھے ہی یقین کر سکتے ہیں۔

آنکھ اور کان کی ٹیکنالوجی:

ایک اور موضوع جس کا جواب نظریۂ ارتقاء والوں کی طرف سے ابھی تک موصول نہیں ہو سکا وہ آنکھوں اور کانوں کی قدرتِ مدرکہ (Perception) کی اعلیٰ ترین کوالٹی کے بارے میں ہے۔

اس موضوع کی طرف آنے سے پہلے میں چند لفظوں میں "عملِ بصارت" پر اظہار خیال کرنا چاہتا ہوں۔

مخالف سمت میں پڑی ہوئی کسی چیز (Object) کی طرف سے آتی ہوئی روشنی کی شعاعیں جب آنکھ کے پردۂ بصارت (Retina) پر پڑتی ہیں تو اس کے خلیے انہیں الیکٹرک سگنلز میں تبدیل کر کے دماغ کے عقب میں واقع مرکزِ بصارت کی ایک چھوٹی سی جگہ پر مرتکز کر دیتے ہیں۔ یہاں یہ سگنلز ایک سلسلۂ عمل کے وقوع پذیر ہونے کے بعد دماغ کے مرکز میں پہنچتے ہیں۔ آیئے ہم اس فنی ہنرمندی کے پس منظر کی روشنی میں کچھ سوچ بچار کریں۔

دماغ اس وقت روشنی سے بالکل محفوظ حالت میں ہوتا ہے، یعنی دماغ کے اندر گھپ اندھیرا ہوتا ہے اور روشنی اس کی پہنچ سے دور ہوتی ہے۔ اس "محرومِ روشنی" مقام کو مرکزِ بصارت کہا جاتا ہے۔ بالفاظ دیگر آپ جتنی بھی تاریکی کا تصور کر سکتے ہیں یہ اس سے بھی بڑھ کر اندھیری جگہ ہوتی ہے۔ تاہم آپ اسی تاریک ترین جگہ سے

روشن ترین دنیا کا مشاہدہ کرتے ہیں۔

آنکھ کے اندر تشکیل پانے والی شبیہہ (Image) اتنی صاف اور واضح طور پر مرتسم ہوتی ہے کہ ۲۰ ویں صدی کی ٹیکنالوجی بھی ایسی صاف اور واضح شبیہہ بنانے سے قاصر ہے۔ مثال کے طور پر آپ جس کتاب کو پڑھ رہے ہیں اور جن ہاتھوں سے آپ نے اسے تھام رکھا ہے' آپ ان پر نظر ڈالیں اور پھر اٹھائیں اور اردگرد نظر ڈالیں' کیا آپ نے ایسی واضح اور صاف شبیہہ کسی اور جگہ پر پائی ہے؟ انتہائی ترقی یافتہ ٹیلی ویژن سکرین پر دنیا کا کوئی عظیم ترین ٹی وی پروڈیوسر بھی آپ کے لیے اس سے زیادہ واضح شبیہہ نہیں بنا سکتا۔ یہ ایک سہ بعدی (3-Dimensional) رنگین اور روشن ترین اور چبھتی ہوئی تصویر ہوتی ہے۔ ایسی صاف ترین شبیہہ بنانے کے لیے ہزاروں انجینئر ۱۰۰ سال سے زائد عرصہ سے کوشاں ہیں۔ اس کے لیے کئی فیکٹریاں قائم ہوئیں' بہت سی تحقیق ہوئی' کئی منصوبے اور ڈیزائن بنے' لیکن مطلوبہ مقصد حاصل نہیں ہوسکا۔ آپ دوبارہ ٹی وی سکرین پر اور اپنے ہاتھوں میں تھامی ہوئی کتاب کے صفحے کو دیکھیں تو آپ کو ان کے صاف تیز اور واضح (Sharp) ہونے میں زبردست فرق محسوس ہوگا۔ مزید برآں ٹی وی سکرین پر آپ دو بعدی (2-Dimensi-onal) شبیہہ پائیں گے جب کہ آپ کی آنکھیں سہ بعدی شبیہہ دیکھ رہی ہیں' یعنی اشیا کی لمبائی اور چوڑائی کے علاوہ ان کی گہرائی (موٹائی) بھی دیکھ رہی ہیں۔

ہزاروں انجینئر سالہا سال سے سہ بعدی ٹی وی بنانے اور آنکھ کی استعدادِ بصارت (Vision Quality) کی برابری کرنے کے لیے کوشش کر رہے ہیں۔ یہ درست ہے کہ انہوں نے سہ بعدی ٹیلی ویژن سسٹم بنالیا ہے لیکن وہ صرف مخصوص عینک سے دیکھا جا سکتا ہے۔ اور پس منظر مزید دھندلا جاتا ہے جب کہ پیش

منظر مصنوعی محسوس ہوتا ہے- تصویر کا آنکھ کے مساوی' واضح اور صاف بننا کبھی ممکن نہیں ہوسکا- کیمرہ اور ٹیلی ویژن' دونوں میں تصویر کا معیار کم ہوئے بغیر نہیں رہتا-

نظریۂ ارتقاء کے علمبرداروں کا دعویٰ ہے کہ ایسی واضح اور تیز شبیہہ اتفاقاً ظہور میں آئی ہے- اب اگر آپ سے کوئی کہے کہ آپ کے کمرے میں رکھا ہوا ٹیلی ویژن "اتفاق" سے بن گیا ہے' یہ کہ اس کے اندر ایٹم اتفاقاً یکجا ہوئے اور یہ آلہ تیار کر کے انہوں نے اس پر ایک تصویر مرتسم کر دی' اس پر آپ کیا سوچیں گے؟ ایٹم ایسا کام کیسے کر سکتے ہیں جو ہزاروں افراد نہیں کر سکتے ؟-

اگر کوئی آلہ' جو آنکھ کی بہ نسبت انتہائی بھدی شبیہہ بناتا ہے' وہ بھی محض اتفاقاً نہیں بنا تو پھر صاف ظاہر ہے کہ آنکھ اور اس کے ذریعہ بننے والی صاف ترین شبیہہ بھی اتفاقاً ظہور میں نہیں آ سکتی تھی- یہی صورت حال کان پر منطبق ہوتی ہے- کان کا بیرونی حصہ اردگرد کی آوازوں کو' وسطی حصے کی طرف منتقل کرتا ہے' جب کہ وسطی حصہ ان کی لہروں کو تیز تر کر کے انہیں الیکٹرک سگنلز میں تبدیل کرتا ہے اور پھر انہیں اندرونی کان میں پہنچا دیتا ہے بصارت کی طرح سماعت کا عمل بھی دماغ کے وسط میں اپنے باقی مراحل طے کرتا ہے-

آنکھ کی صورت حال' کان کی اندرونی صورت حال کی مانند ہے' یعنی دماغ' روشنی کی طرح ہی' آوازوں سے "مامون" (Insulated) ہوتا ہے' یعنی کسی آواز کو اپنے اندر داخل نہیں ہونے دیتا- باہر خواہ کتنا ہی شوروشغب ہو' دماغ کے داخلی حصے میں مکمل سکوت ہوتا ہے- تاہم تیز ترین (Sharpest) آوازیں اندر رسائی پا جاتی ہیں- آپ کے دماغ میں جو کہ آوازوں سے "مامون" ہوتا ہے' آرکسٹرا کا نغمہ اور مجمعوں کا بے ہنگم شور پہنچ جاتا ہے- تاہم اگر اس لمحے کسی مناسب آلے سے آپ کے دماغ کا لیول ناپا جائے تو معلوم ہوگا کہ وہاں مکمل سکوت طاری

ہے۔

جیسا کہ شبیہات کا معاملہ ہے' سالہا سال محنت کر کے ایسی آواز پیدا کرنے اور اس کا اعادہ کرنے کی کوشش کی جاتی رہی ہے جو اس اصل آواز کے ''عین مطابق'' ہو۔ ان مساعی کے نتیجے میں ساؤنڈ ریکارڈرز' اور ہائی فائیڈیلٹی سسٹم وغیرہ تو وضع کر لیے گئے ہیں لیکن ہزاروں انجینئر اور ماہرینِ اصوات اعلیٰ ٹیکنالوجی استعمال کرنے کے باوجود' اس معیار کی صاف اور واضح ترین آواز کی کوالٹی نہیں لا سکے جو کان خود وصول کرتا ہے۔

آپ ذرا میوزک انڈسٹری سے وابستہ بڑی بڑی کمپنیوں کے ہائی کوالٹی کے ہائی فائی نظاموں کو دیکھیں' ان میں کچھ آواز ریکارڈنگ کے دوران زائل ہو جاتی ہے' یا جب سسٹم کو ''آن'' کرتے ہیں تو میوزک شروع ہونے سے پہلے آپ لازماً سائیں سائیں سنتے ہیں۔ تاہم انسانی جسم کی ٹیکنالوجی سے پیدا ہونے والی آواز بے حد صاف اور واضح ہوتی ہے۔ انسانی کان میں پڑنے والی آواز میں ''سائیں سائیں'' بالکل شامل نہیں ہوتی اور اس کی کوالٹی ہائی فائی کی بہ نسبت اعلیٰ ترین ہوتی ہے۔ تو یہ ہے ساخت' جو انسان کو تخلیق کے دوران ودیعت ہوئی ہے۔

اب تک انسان کوئی ایسا بصری یا سمعی آلہ تیار نہیں کر سکا جو آنکھ اور کان کی طرح حساسیت رکھتا ہو۔ تاہم جہاں تک دیکھنے اور سننے کی صلاحیتوں کا تعلق ہے' ان سے آگے' ان سے بھی کہیں بڑے حقائق موجود ہیں۔

دماغ کے اندر بصارت اور سماعت کا شعور کہاں سے آیا؟:

دماغ کے اندر وہ کیا چیز ہے جو اس رنگ برنگی دنیا کو دیکھتی' سازوں کی آواز اور پرندوں کے چہچہوں کو سنتی اور گلاب کی مہک کو سونگھتی ہے؟ یہ ہیجات انسان کی آنکھوں' کانوں اور ناک کے راستے بطور برقی و کیمیاوی عصبی تحرکات ذہن تک سفر

کرتے ہیں- آگے ذہن میں ان کی شبیہہ کیسے بنتی ہے اس کی زیادہ تفصیلات آپ بیالوجی' فزیالوجی اور بائیو کیمسٹری میں پڑھ سکتے ہیں- لیکن اس موضوع پر آپ کو ان کتابوں سے ایک بے حد اہم حقیقت نہیں مل سکے گی اور وہ یہ ہے کہ ان برقی کیمیائی عصبی تحرکات کو بطور شبیہہ 'بطور آواز بطور خوشبو اور بطور حسی انگیخت کون محسوس کرتا ہے؟ دماغ میں ایک شعور ہوتا ہے جو ان سب چیزوں کو آنکھ کان اور ناک کا محتاج ہوئے بغیر بھی محسوس کر سکتا ہے- پھر یہ شعور کس کا ہے؟ یہ کس کی ملکیت ہے؟ اس امر میں شبہ نہیں کیا جا سکتا کہ یہ شعور' اعصاب کا نہیں ہے جو کہ چربی کی تہوں اور عصبانیہ (Neurons) کے مجموعے' دماغ پر مشتمل ہے- یہی وجہ ہے کہ ڈارون کے مادہ پرست پیروکار جو ہر چیز کو مادے پر مشتمل سمجھتے ہیں' ان سوالوں کا جواب نہیں دے سکتے-

یہ شعور' وہ روح ہے جسے خدا نے تخلیق کیا- اس روح کو نہ شبیہات دیکھنے کے لیے آنکھ کی ضرورت پڑتی ہے اور نہ آوازیں سننے کے لیے کان کا محتاج ہونا پڑتا ہے- مزید برآں اسے سوچنے کے لیے دماغ کی ضرورت بھی نہیں ہوتی-

جو کوئی بھی اس واضح سائنسی حقیقت کو سمجھ سکتا ہے' اسے چاہیے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی ذاتِ اقدس پر غور کرے' اس سے ڈرے اور اس سے پناہ طلب کرے جس نے پوری کائنات کو چند مکعب سنٹی میٹرز پر مشتمل ایک اندھیری جگہ میں سہ بعدی' رنگین' سایہ دار اور روشن صورت میں مقید کر رکھا ہے-

مادہ پرستانہ عقیدہ:

اب تک ہم نے جو معروضات پیش کی ہیں ان سے ہمارا مقصد یہ ظاہر کرنا تھا کہ نظریۂ ارتقاء ایک ایسا دعویٰ ہے جو سائنسی تحقیق سے واضح طور پر متصادم ہے' اس کا ''آغازِ آفرینش'' کے بارے میں دعویٰ سائنسی حقائق کے منافی ہے اس کی تجویز کردہ

ارتقائی میکانیات میں کوئی ارتقائی قوت نہیں اور متحجرات اس امر کا اظہار کرتے ہیں کہ درمیانی اشکال' جو اس نظریے کا جواز بن سکتی تھیں ان کا سرے سے کوئی وجود ہی نہ تھا- چنانچہ لازم ہے کہ نظریۂ ارتقاء کو ایک غیر سائنسی مفروضہ سمجھ کر مسترد کر دیا جائے- یہی وجہ ہے کہ بہت سے نظریات مثلاً زمین کو کائنات کا مرکز سمجھنا وغیرہ' سائنس کے ایجنڈے سے خارج کر دیئے گئے- تاہم نظریۂ ارتقاء کو سائنسی ایجنڈے میں شامل رکھنے پر مسلسل اصرار کیا جا رہا ہے اور بعض لوگ اس پر کی جانے والی تنقید کو ''سائنس پر حملہ'' قرار دیتے ہیں' ایسا کیوں ہے؟-

اس کا سبب یہ ہے کہ بعض حلقوں کے نزدیک نظریۂ ارتقاء ایک ناگزیر اذعانی (Dogmatic) عقیدہ ہے' یہ حلقے آنکھیں بند کر کے اس مادہ پرستانہ فلسفے کو کارخانۂ قدرت کی کارکردگی کے لیے واحد مادہ پرستانہ وضاحت سمجھتے ہیں-

دلچسپ بات یہ ہے کہ وہ کبھی کبھی اس کا اعتراف بھی کر لیتے ہیں- جنینیات (Genetics) کے نامور ماہر اور نظریۂ ارتقاء کے پرجوش داعی رچرڈ سی لیونٹن (Richard c.lewontin) برملا اعتراف کرتا ہے کہ وہ پہلے مادہ پرست ہے اور بعد میں سائنسدان ہے' اس کے اپنے الفاظ میں:

''ہم عجائباتِ دنیا کی مادہ پرستانہ توجیہہ کو مسلمہ سائنسی اصولوں اور طریق کار کے تحت قبول کرنے پر مجبور نہیں ہوئے' بلکہ اس کے برعکس اپنے اس اصول کے تحت مجبور ہوئے ہیں کہ ہر تحقیق کے لیے مادی اسباب کو بنیاد بنایا جائے اور ایسے تصورات کا نظام قائم کیا جائے جو مادی توجیہات سامنے لائے' خواہ وہ الہامی عقیدہ کے منافی ہی کیوں نہ ہوں' خواہ ہمیں کتنی ہی ابلہ فریبی اور بے اصولی کا ارتکاب کرنا پڑے- مزید برآں مادیت ایک قطعی حقیقت ہے' لہٰذا ہم مافوق البشریت کے قدموں کو اپنے

دروازے کی طرف نہیں بڑھنے دیں گے''۔

یہ واضح اور دوٹوک بیانات ہیں جو اس امر کا اظہار کرتے ہیں کہ ڈارون ازم کسی ثبوت کے بغیر تسلیم کیا گیا (اذعانی) عقیدہ ہے اسے صرف اس لیے زندہ رکھا گیا ہے کہ اس سے مادہ پرستی کو تقویت ملتی ہے۔ اس عقیدے کے علمبرداروں کا دعویٰ ہے کہ مادے کے سوا کوئی ہستی موجود نہیں ہے۔ اور یہ بھی کہ زندگی کو بے جان اور بے شعور مادے نے وجود عطا کیا ہے۔ مادہ جو لاکھوں انواع' یعنی پرندوں مچھلیوں' زرافوں' شیروں' کیڑوں مکوڑوں' درختوں' پھلوں پھولوں' وہیلز اور انسانوں کی شکل میں پایا جاتا ہے مختلف مادوں کے درمیان تعامل کے نتیجے میں وجود میں آیا' بالفاظ دیگر زندگی نے بے جان مادے پر برسنے والی بارش اور چمکتی ہوئی بجلیوں وغیرہ کے اثرات سے جنم لیا۔ یہ قول یا عقیدہ معقولیت اور سائنس' دونوں کے منافی ہے۔ ڈارون کے چیلے اس کا دفاع صرف اس لیے کر رہے ہیں کہ وہ ''خدا کا قدم' اپنے دروازے کے اندر داخل ہونے سے روک سکیں''۔

جو شخص زندہ اجسام کی پیدائش کو مادہ پرستانہ تعصب کی نظر سے نہ دیکھتا ہو وہ اس اظہر من الشمس حقیقت تک یقیناً پہنچ جائے گا کہ:

تمام موجودات کو ایک خالق کے دستِ قدرت نے وجود بخشا ہے جو قادرِ مطلق' علیم اور خبیر ہستی ہے' وہ خالق خداوند کریم ہے جو پوری کائنات کو عدم سے وجود میں لایا' اسے نہایت کامل شکل سے کامل طور پر بنایا اور تمام زندہ چیزوں کو اپنی حکمت کے مطابق خاص وضع بخشی۔

کتاب کے جملہ حقوق محفوظ ہیں

نام کتاب .... انکشافاتِ قرآن

مصنف .... ہارون یحییٰ

مترجم .... محمد یحییٰ

طابع .... مقبول الرحمٰن

ناشر .... مکتبہ رحمانیہ

مطبع .... لٹل سٹار

ملنے کے پتے

⇦ مکتبۃ العلم ۱۸۔اُردو بازار لاہور

⇦ خزینہ علم وادب الکریم مارکیٹ اُردو بازار لاہور

⇦ اسلامی کتب خانہ فضل الٰہی مارکیٹ اُردو بازار لاہور

⇦ مکتبہ سید احمد شہید الکریم مارکیٹ اُردو بازار لاہور

⇦ کتب خانہ رشیدیہ راجہ بازار راولپنڈی

19 ویں صدی میں دنیائے سائنس پر مسلّط مادی فلسفے کا دعویٰ تھا کہ یہ کائنات مادّے کا ایک بے لگام اور بے ہیئت ڈھیر ہے جو ازل سے یونہی پڑا ہوا ہے۔ لیکن 20 ویں صدی میں ہونے والی دریافتوں اور انکشافات نے اس دعوے کو مسترد کر دیا۔ آج کی سائنس نے ثابت کر دکھایا ہے کہ کائنات کا ایک نقطہ آغاز تھا اور اسے عدم سے وجود میں لایا گیا تھا۔
علاوہ ازیں گزشتہ تیس چالیس سال کی دریافتوں نے یہ بھی ثابت کر دکھایا ہے کہ یہ کائنات جو گوناگوں ذیلی نظاموں پر مشتمل ہے۔ اس میں ایک زبردست توازن پایا جاتا ہے۔ اور ذیلی نظام اس مجموعی توازن کے ساتھ غیر معمولی احتیاط کے ساتھ مربوط اور ہم آہنگ بنائے گئے ہیں۔ کائنات کے تمام مادی توازن.......... انفجار عظیم (BIG BANG) کی قوت سے لے کر طبیعیات کی چار بنیادی قوتوں کی اقدار تک اور ستاروں کے نیوکلئیر ری ایکشن سے لے کر ذرے (ایٹم) کی ساخت تک' سب کے سب ایسے انداز میں منظم کئے گئے ہیں۔ کہ ان کا انسانی زندگی کے ساتھ توازن برقرار رہ سکے۔ کرہ ارضی کی ساخت' خلا میں اس کا مقام اور اس کی فضا' ایسی حکمت کے ساتھ وجود میں لائی گئی ہیں۔ جیسا کہ انہیں ہونا چاہئے تھا۔ ایٹموں کے فزیکل اور کیمیکل خواص.......... مثلاً کاربن اور آکسیجن یا سالمات (مالیکیولز) مثلاً پانی کے خواص اس طرح وضع کئے گئے ہیں۔ کہ انسانی زندگی کی بقا کا معقول انتظام ہو سکے۔ مختصراً یہ کہ کائنات میں "محض اتفاقات" کی کوئی گنجائش نہیں' یہ سب کچھ اتفاقاً (BY CHANCE) یا اپنے آپ (SPONTANEOUSLY) نہیں بن گیا۔ ساری کائنات ایک خاص مقصد کے تحت' اور ایک زبردست توازن اور ہم آہنگی قائم کر کے تخلیق کی گئی ہے۔ یہ خدائے قادر و مطلق اور مالکِ یوم الدّین کی ایک بے نقص تخلیق ہے جس کے بارے میں سورۃ الاعراف (آیت 54) میں فرمایا گیا ہے:۔

"بے شک تمہارا رب اللہ ہے جس نے آسمان اور زمین چھ دن میں بنائے پھر عرش پر استواء فرمایا جیسا اس کی شان کے لائق ہے رات دن کو ایک دوسرے سے ڈھانکتا ہے کہ جلد اس کے پیچھے لگا آتا ہے اور سورج اور چاند اور تاروں کو بنایا سب اس کے حکم کے دبے ہوئے سن لو اسی کے ہاتھ میں پیدا کرنا اور حکم دینا بڑی برکت والا ہے اللہ رب سارے جہان کا۔

کچھ مصنف کے بارے میں

فاضل مصنف نے یحیٰی ہارون کے قلمی نام سے اب تک 100 سے زائد کتب تصنیف کی ہیں۔ جو سب کی سب ایمانیات سے متعلقہ مضامین پر مشتمل ہیں۔ ان میں کائنات میں اللہ کی نشانیاں سے لے کر امتِ مسلمہ کے سیاسی مسائل اور فری میسنز کی سازشوں کے بارے میں تحقیقی مقالات تک تمام اہم موضوعات شامل ہیں۔ وہ ترکی زبان میں چھپنے والے رسائل و جرائد اور اخبارات کے علاوہ دنیا بھر کے بین الاقوامی اسلامی رسالوں کی بھی زینت بنتے رہے ہیں۔ ان کی متعدد تصانیف انگلستان میں انگریزی زبان میں شائع ہوئیں اور بے حد مقبول ہوئیں۔ ان کی بعض کتابوں کے جرمن' فرنچ' اٹالین' سپینش' پرتگیزی' عربی' البانوی' پولش' رشین' سربو کروایشن' انڈونیشی اور اردو میں بھی تراجم چھپ چکے ہیں۔
یہ کتابیں تمام مسلمانوں سے اپیل کرتی ہیں۔ کہ وہ انتشار و افتراق پیدا کرنے والے نظریات و خیالات سے قطع تعلق کر کے اللہ کی رسی میں مضبوطی سے بندھ جائیں اور قرآن ہی کو اپنی دنیا اور آخرت کے لئے رہنما بنائیں۔

مکتبہ رحمانیہ اقرأ سنٹر غزنی سٹریٹ۔ اردو بازار لاہور